OPEN ACCESS

Kashf Journal of Multidisciplinary Research
Vol: 02 - Issue 10 (2025)
P-ISSN: 3007-1992 E-ISSN: 3007-200X
https://kjmr.com.pk

استشراق کی ابتدا اور ارتقاء: ایک تنقیدی تاریخی تجزیہ

THE ORIGINS AND EVOLUTION OF ORIENTALISM: A CRITICAL HISTORICAL ANALYSIS

***Nisar Ahmad[1], Waqas Muhammad[2], Kiran Sultan[3]**
[1]Ph.D Scholar, Department of Islamic & Arabic Studies, University of Swat
[2]MPhill Research Scholar Department of Islamic & Arabic Studies, University of Swat
[3]PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Riphah International University, Islamabad
[*]***Corresponding Author:*** nisarkabal123@gmail.com
DOI: (https://doi.org/10.71146/kjmr666)

Article Info

This article is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) license https://creativecommons.org/licenses/by/4.0

Abstract

Orientalism represents a significant intellectual tradition through which Western scholars have studied the languages, religions, cultures, civilizations, histories, and intellectual heritage of the East, particularly Islam and Muslim societies. This study critically examines the origins and evolution of Orientalism from its early formative stages to its institutional development in the modern period. It explores the historical, religious, political, colonial, and scholarly factors that contributed to the emergence and expansion of Orientalist studies. The study also discusses the changing terminology associated with Orientalism and the establishment of translation centers, academic institutions, Arabic and Islamic studies departments, manuscript collections, and international Orientalist conferences in Europe. Particular attention is given to the major areas of Islamic studies addressed by Orientalists, including the Qur'an, Hadith, Islamic jurisprudence, the Prophetic biography, and Islamic history. The study highlights the approaches of prominent Orientalists such as Theodor Nöldeke, William Muir, Ignaz Goldziher, Joseph Schacht, Richard Bell, Arthur Jeffery, William Montgomery Watt, Bernard Lewis, and others. It further examines the intellectual and methodological responses of Muslim scholars to Orientalist interpretations and critiques. The study argues that Orientalism has passed through various historical stages, combining genuine scholarly contributions with religious, political, colonial, and ideological dimensions. While Orientalist scholarship has contributed significantly to the preservation, editing, translation, and dissemination of numerous Islamic manuscripts and sources, certain Orientalist approaches have also generated controversial interpretations and challenges to established Islamic understandings. The study concludes that a balanced and critical assessment of Orientalism requires distinguishing between its valuable academic contributions and its ideological or polemical dimensions.

Keywords: *Orientalism; Origins of Orientalism; Evolution of Orientalism; Orientalist Studies; Islamic Studies*

جدید یورپ میں احیائے علوم اور نشاۃ ثانیہ کی تحریک کے نتیجے میں علوم جدید کی تدوین عمل میں آئی۔ اہل یورپ کی ایک جماعت نے جدید سائنسی علوم سے ہٹ کر علوم اسلامیہ اور مشرقی فنون کو اپنی تحقیقات کا مرکز بنایا اور اسی میں اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ اس تحقیق کے نتیجے میں پچھلی دو صدیوں میں انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، ہسپانوی اور دیگر معروف یورپی زبانوں میں اسلام کا ایک ایسا جدید تشکیل مدون ہو کر ہمارے سامنے آیا ہے جسے اسلام کی یورپی تعبیر قرار دیا جاسکتا ہے۔

اہل یورپ کی تحقیق کا جہاں دنیائے اسلام کو کچھ فائدہ ہوا کہ اسلامی مخطوطات کا ایک گراں قدر ذخیرہ اشاعت کے بعد لائبریریوں سے نکل کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ گیا تو وہاں اس سے پہنچنے والے ناقابل تلافی نقصانات بھی بہت زیادہ ہیں۔ یہودی، عیسائی اور لا مذہب مغربی اہل علم کی ایک جماعت نے اسلام، قرآن کریم، پیغمبر اسلام، اسلامی تہذیب و تمدن اور علوم اسلامیہ میں تشکیک و شبہات پیدا کرنے کی ایک تحریک برپا کرتے ہوئے اہل اسلام کے خلاف ایک فکری جنگ کا آغاز کر دیا۔ اہل مغرب کے یہی فکری جنگ تحریک استشراق کہلاتا ہے۔

استشراق کا لغوی مفہوم

عربی زبان کی قواعد کے لحاظ سے لفظ "استشراق" ثلاثی مزید فیہ کے باب استفعال سے مصدر ہے، جس کا مادہ (Root word) "ش، ر، ق" ہے، اور یہ مادہ کسی چیز کی روشنی اور اس کے کھلنے پر دلالت کرتا ہے۔ عربی زبان میں کہا جاتا ہے، شرقت الشمس ، تشرق، شروقا وشرقا: (اذا)طلعت۔[i] لفظ "مستشرق" استشراق سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

استشراق اور مستشرق کی اصطلاحات قدیم عربی لغات میں مفقود ہیں۔ قدیم عربی لغات میں استشراق کا مادہ "ش، ر، ق" مذکور ہے لیکن اس مادہ کا باب استفعال میں استعمال سرے سے موجود ہی نہیں ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ استشراق اور مستشرق کی اصطلاحات زیادہ قدیم نہیں ہیں۔

استشراق کے لیے انگریزی زبان میں Orientalism اور مستشرق کے لیے Orientalist کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ دونوں الفاظ انگریزی لفظ Orient سے مشتق ہیں، جس کا معنی ہے "شرق" یا "مشرق" یا "مشرقی سمت" جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔[ii] لفظ Orient کا متضاد Occident (مغرب) ہے۔ Orientalism کا معنی شرق شناسی یا مشرقی علوم و فنون اور ادب میں مہارت حاصل کرنے کے اور Orientalist کا معنی مشرقی علوم میں ماہر کے ہے۔

آرتھر جان آربری (1905-1969) Arthur John Arberry[iii] کے مطابق Orientalist کا لفظ پہلی بار 1630ء میں مشرقی یا یونانی کلیسا کے ایک پادری کے لیے استعمال ہوا۔[iv] انگریزی زبان و ادب میں ان اصطلاحات کا استعمال اپنے مخصوص معنوں میں اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں شروع ہوا ہے۔ میکسیما روڈنسن Maxime Rodinson کے مطابق یہ لفظ 1779ء میں انگریزی زبان میں اور 1838ء میں فرانسیسی زبان میں پہلی بار استعمال ہوا۔[v] 1838ء میں فرانس میں فرانسیسی زبان کا ایک لغت شائع ہوا جس کا نام Dictionnairo del Academic Francaise تھا، جس میں یہ اصطلاح پہلی مرتبہ درج کی گئی۔

استشراق کا اصطلاحی مفہوم

استشراق کی تعریف مختلف اہل علم نے مختلف الفاظ و پیرائے میں بیان کی ہے۔ جس میں سے کچھ اہم اور مشہور تعریفات درج ذیل ہیں۔

(ا): ڈاکٹر محمد احمد دیاب لکھتے ہے۔

"غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبانوں، تہذیب، فلسفے، ادب اور مذہب کے مطالعہ میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے۔"[vi]

اس تعریف کی رو سے جو غیر مشرقی عالم، مشرقی علوم کے لیے اپنے آپ کو وقف کرے گا اسے مستشرق کہا جائے گا۔

(۲): صاحب المنجد نے مستشرق اور استشراق کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"العالم باللغات والآداب والعلوم الشرقية والاسم الاستشراق"

"مشرقی زبانوں، آداب اور علوم کے عالم کو مستشرق کہا جاتا ہے اور اس علم کا نام استشراق ہے۔"

(۳): ڈاکٹر فاروق عمر فوزی استشراق کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"علم يدرس لغات شعوب الشرق وتراثهم وحضاراتهم ومجتمعاتهم وماضيهم وحاضرهم"[vii]

"استشراق ایک ایسا علم ہے جو مشرق کی زبانوں، علمی ورثہ، تہذیبوں، معاشروں، ماضی اور حال کے بارے میں بتلاتا ہے۔"

ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب نے اپنی کتاب "رؤیۃ اسلامیۃ للاستشراق" میں کچھ تعریفیں لکھی ہیں۔ جن میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں۔

(۴): "استشراق مغربی اسلوب فکر کا نام ہے۔ جس کی بنیاد مشرق و مغرب کی نسلی تقسیم کے نظریہ پر قائم ہے جس کی رو سے اہل مغرب کو اہل مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری حاصل ہے۔"[viii]

(۵) "استعماری مغربی ممالک کے علماء اپنی نسلی برتری کے نظریے کی بنیاد پر، مشرق پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اس کی تاریخ، تہذیبوں، ادیان، زبانوں، سیاسی اور اجتماعی نظاموں، ذخائر دولت اور امکانات کا جو تحقیقی مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے بھیس میں کرتے ہیں، اسے استشراق کہا جاتا ہے۔"[ix]

(۶): "استشراق اس مغربی اسلوب کا نام ہے جس کا مقصد مشرق پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے، اس کی فکری اور سیاسی تشکیل نو کرنا ہے۔"[x]

(۷): ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب نے مندرجہ بالا تعریفات ذکر کرنے کے بعد استشراق کی جو تعریف خود کی ہے وہ درج ذیل ہے۔

"مغربی اہل کتاب، مسیحی مغرب کی اسلامی مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری کے زعم کی بنیاد پر، مسلمانوں پر اہل مغرب کا تسلط قائم کرنے کے لیے مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں گمراہی اور شک میں مبتلا کرنے اور اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے کی غرض سے، مسلمانوں کے عقیدہ، ثقافت، شریعت، تاریخ، نظام اور وسائل وامکانات کا جو مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے دعوے کے ساتھ کرتے ہیں، اسے استشراق کہا جاتا ہے۔"[xi]

(۸): جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری نے استشراق کی جو تعریف بیان کی ہے وہ درج ذیل ہے۔

"اہل مغرب بالعموم اور یہود و نصاریٰ بالخصوص، جو مشرقی اقوام خصوصاً ملت اسلامیہ کے مذاہب، زبانوں، تہذیب و تمدن، تاریخ، ادب، انسانی قدروں، ملی خصوصیات، وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لبادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر ان پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کر سکیں اور ان پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائل حیات کا استحصال کر سکیں، ان کو مستشرقین کہا جاتا ہے اور جس تحریک سے وہ لوگ منسلک ہیں وہ تحریک استشراق کہلاتی ہے۔"[xii]

(۹): فلسطینی نژاد امریکی ایڈورڈ سعید(1935-2003) Edward Said جن کی کتاب Orientalism: Western Conceptions of the Orient اپنے موضوع پر ایک بنیادی مصدر کی حیثیت رکھتی ہے، نے استشراق کی تین تعریفات بیان کی ہیں جو در حقیقت اس کے تین پہلو ہیں۔ ان میں سے تیسری تعریف درج ذیل ہے:

Orientalism can be discussed and analyzed as the corporate institution for dealing with the Orient-dealing with it by making statements about it, authorizing views of it, describing it, by teaching it, settling it, ruling over it: in short, Orientalism as a Western style for dominating, restructuring, and having authority over the Orient.[xiii]

ترجمہ: "استشراق کا ہم اس پہلو سے بھی مطالعہ اور تجزیہ کر سکتے ہیں کہ یہ مشرق سے تعامل کے لیے ایک ایسا منظم (مغربی) ادارہ ہے جو مشرق کے بارے بیانات جاری کر کے، اس کے نظریات کو کنٹرول کر کے، اس کی وضاحت کر کے، اسے پڑھا کر، اسے طے کرتے ہوئے اور اس پر حکمرانی کرتے ہوئے اس سے نمٹنے کا نام ہے۔ مختصر الفاظ میں استشراق، مشرق پر غلبے، اسی کی تشکیل جدید اور اس پر تفوق کا مغربی اسلوب ہے۔"

استشراق کی جتنی بھی تعریفات بیان کی گئی ہیں، ان سب میں مشرقی علوم کا درک حاصل کرنے کی قید لگائی گئی ہے۔اس مشرق کے قید پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے۔اگرچہ مشرق ومغرب کے مفہوم میں تبدیلیاں بھی واقع ہوتی رہتی ہیں۔قرون وسطیٰ بلکہ ازمنہ قدیمہ میں بحیرہ روم کو دنیا کا مرکز قرار دیا جاتا تھا اور جہتوں کا تعین اسی کے حساب سے ہوتا تھا۔اس کے مشرقی اطراف میں واقع علاقوں کو مشرق اور اس کے مغرب میں واقع علاقوں کو مغرب سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

اگر ہم مشرق ومغرب کے اس مفہوم کو تسلیم کرلیں تو بھی بات واضح نہیں ہوتی اور نہ ہی مشرق کے اس مفہوم کی رو سے استشراق اور مستشرق کی مندرجہ بالا تعریفات جامع اور مانع رہتی ہیں۔مشرق کی اس تعریف کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دین مسیحی کا تعلق مشرق سے ہو جاتا ہے۔اس صورت میں جو مغربی عالم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان، آپ کی سیرت، آپ کے مذہب اور دیگر مساعی کے مطالعہ کے لیے اپنی زندگی وقف کردے، اسے مستشرق کا لقب دیا جانا چاہئے، لیکن عملاً ایسا نہیں ہے۔

بائبل کے دونوں حصوں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید میں جتنے واقعات اور حالات کا بیان ہے ان میں سے اکثر کا تعلق مشرق سے ہے، لیکن بائبل کے علوم کے ماہر کو کوئی بھی مستشرق نہیں کہتا۔

لہذا ہم یہاں پر یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ان تعریفات میں ذکر کردہ مشرق سے مراد اس کے جغرافیائی تحدید نہیں ہے بلکہ اس سے مراد زمین کے وہ خطے ہیں جن پر اسلام کو فروغ حاصل ہوا ہو، کیونکہ مستشرقین کا اصل ہدف اسلام اور اس کی تعلیمات ہیں۔خواہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔اسی مفہوم کو دور جدید کے اکثر محققین علماء نے بھی اختیار کیا ہے۔

درج بالا تعریفات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مجموعی طور پر تحریک استشراق کے دائرہ میں بڑی وسعت ہے جو مشرق میں موجود تمام ممالک، مذاہب ،زبانوں، تہذیب وتمدن، باشندوں، ان کی رسوم ورواج اور عادات واطوار کے متعلق تحقیق کرکے ان کے علاقوں پر قبضے اور انہیں اپنی دسترس میں رکھنے، جیسے بہت سے شعبہ جات پر محیط ہے۔لیکن اس تحریک کا سرگرم اور خاص شعبہ ملت اسلامیہ کے لسانی، سماجی، معاشی، سیاسی، دینی، مذہبی، سائنسی اور دیگر علوم وفنون اور جملہ نظامہائے حیات کا مطالعہ کرنا ہے جس سے ان کا مقصد ملت اسلامیہ کے افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر میدان میں اُن کو اپنے افکار ومساعی سے متاثر کرنا، جس سے مسلمانوں کے اندر فکری تغیر واقع ہو جائے اور اسلام اور اس کے متعلقات کے بارے میں ان میں ضعف پیدا ہو جائے، تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں ان کے افکار وخیالات کے لیے جگہ بن جائے تاکہ جس وقت اہل مغرب ان پر اپنا تسلط اور غلبہ قائم کرنا چاہئے اور ان کے وسائل پر قابض ہونا چاہئے تو مسلمانوں کی طرف سے کوئی مؤثر ردعمل سامنے نہ آئے۔اکثر مسلمان محققین جب تحریک استشراق پر بحث کرتے ہیں تو ان کے پیش نظر بھی تحریک استشراق کا یہی خاص شعبہ ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں مستشرق کی متبادل اصطلاحات

بیسویں صدی عیسوی میں دوسری جنگ عظیم کے بعد عالم اسلام میں تحریک استشراق اور مستشرقین کی جو خبر لی گئی ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب مستشرقین اپنے لیے مستشرق Orientalist کا لفظ پسند نہیں کرتے ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"اب مستشرقین، مستشرق کہلوانا پسند نہیں کرتے دوسری عالمگیر جنگ کے بعد وہ "ایڈوائزر" یا "ایریا سٹڈی سپیشلسٹ، ایکسپرٹ کہلوانا پسند کرتے ہیں۔"[xiv]

1973ء میں پیرس میں مستشرقین کی ایک عالمی کانفرنس بعنوان "المؤتمرات العالمية للدراسات الآسسيوية والشمال افريقيا" منعقد ہوئی جس میں اس اصطلاح کو ترک کرنے کا اتفاقی فیصلہ صادر ہوا، اور آئندہ کے لیے مستعربون Arabists یا اسلامیون Islamists یا باحثون فی العلوم الانسانیۃ Humanists یا ماہرین مطالعہ ممالک Area Studies Experts وغیرہ جیسی اصطلاحات استعمال کرنے پر اتفاق ہوا۔

اطالوی نژاد امریکی مستشرق جان لی ایسپوزیٹو John L.Esposito کا کہنا ہے کہ اس یہ بالکل پسند نہیں ہے کہ اسے مستشرق Orientalis کے نام سے پکارا جائے بلکہ وہ اپنے آپ کو Islamists کہلوانا پسند کرتا ہے۔[xv]

تحریک استشراق کے اسباب و محرکات

تحریک استشراق کے چند اہم اسباب و محرکات درج ذیل ہیں۔

(۱)طبعی محرک

دیگر اقوام کے مذاہب، افکار، معاشرت اور اقتصادیات کے بارے میں جاننے کی خواہش فطری طور پر تقریباً ہر انسان میں موجود ہوتی ہے۔ تحریک استشراق کے محرکات میں سے ایک اہم محرک یہی فطری خواہش تھی، جس نے اہل مغرب کو مشرق، مشرقی تہذیب اور مشرقی علوم و فنون کے بارے میں جاننے کے لیے ابھارا۔[xvi]

(۲)تاریخی محرک

مشرق و مغرب کے باہمی تعلقات زمانہ قدیم سے چلے آرہے ہیں۔ان کے درمیان وقتاً فوقتاً فکری مکالمہ اور عسکری مہم جوئی ہوتی رہی ہے۔ یہ فکری و عسکری نزاع بھی اہل مغرب کے لیے ایک اہم محرک بنا ہے کہ وہ مشرق کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانکاری حاصل کریں یا اس کے لیے کوشش کریں۔[xvii]

(۳)دینی محرک

چرچ اور اس کے متولیوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام کا چہرہ مسخ کرنے کے لیے اور اس سے متعلق حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے لیے مشرقی علوم و فنون کی طرف توجہ دی۔ علاوہ ازیں استشراق کے دینی محرکات میں عیسائی عوام کی اسلام کی طرف رغبت کو روکنا اور مسلمانوں کو عیسائی بنانا بھی شامل تھا۔اسی طرح مصادر اسلامیہ یعنی کتاب و سنت میں تشکیک پیدا کرنے میں یہودی مستشرقین کی ایک جماعت نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔[xviii]

(۴)استعماری محرک

اُنیسویں صدی عیسوی میں تقریباً تمام عالم اسلام مغربی استعمار کا حصہ بن چکا تھا۔ مشرق پر اپنے غلبہ کو برقرار رکھنے کے لیے حاکم قوتوں نے مشرق کے علوم و فنون اور تاریخ و لغات کی طرف خصوصی توجہ دی تاکہ غلام قوم کی نفسیات و زبان جانتے ہوئے اس سے بہتر انداز میں خدمت لی جاسکے۔ جرمن مستشرق کارل ہائنز بیکا (م:۱۹۳۳ء) افریقہ میں جرمن استعمار کی خاطر ۱۸۸۵ء، ۱۸۸۶ء میں خدمات سرانجام دیتا رہا۔ مستشرق کرسٹیان (م:۱۹۳۶ء) ۱۸۸۵ء میں ہالینڈ کی حکومت کی طرف سے مکہ میں عبدالغفار کے نام سے اپنی خدمات پیش کرتا رہا اور بعد ازاں انڈونیشیا میں بھی رہا۔سیاسی استعمار کے علاوہ مغرب کے مشرق پر فکری استعمار اور غلبے میں بھی تحریک استشراق کا ایک اہم کردار رہا ہے اور اب تک ہے۔[xix]

(۵)علمی محرک

مستشرقین کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے مشرقی علوم کی طرف متوجہ ہوئی۔ یہ جماعت اگرچہ اپنے کام میں مخلص تھی لیکن اپنی تحقیقات کے نتائج میں انہوں نے بھی بعض مقامات پر ٹھوکریں کھائی ہیں، جس کی وجہ یا تو عربی زبان میں رسوخ نہ ہونا یا پھر مغربی معاشرہ میں اسلام کے بارے میں رائج عام تصورات سے متاثر ہونا ہے۔ان میں فرانسیسی مستشرق موریس بوکائے (م:۱۹۹۸ء) اور جرمانس (م:۱۹۷۹ء) وغیرہ شامل ہیں۔[xx]

اسی محرک کے تحت قرون وسطیٰ کے مسلمان علماء کی فلکیات، جغرافیہ، تاریخ، طب، ریاضی، فلسفہ، علم کلام سے متعلق سینکڑوں کتب کو ایڈٹ کر کے شائع کیا گیا اور ان کے تراجم عربی سے یورپی زبانوں میں کیے گئے تاکہ مسلمانوں کے علوم و فنون کی روشنیوں سے یورپ کی جہالت کی تاریکیوں کو دور کیا جاسکے۔

تحریک استشراق کے اہداف و مقاصد

مستشرقین نے مشرقی علوم وفنون کے حصول اور اس کے تحقیق میں اپنی زندگیاں کیوں صرف کی؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ بلاشبہ اگر یہی مستشرقین مغربی علوم وفنون کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیتے تو نسبتاً زیادہ مالی اور معاشرتی فوائد اور شہرت حاصل کرسکتے تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی صلاحیتوں کو مشرقی علوم وفنون کے لیے وقف کردیا۔ لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین کے اس تحریک کے کچھ اہم مقاصد اور اہداف ضرور ہوگے، ذیل میں ہم ان مقاصد اور اہداف میں سے چند ایک کو بیان کرتے ہیں:

(۱): دین اسلام کی تعلیمات اور تصویر کو مسخ کرنا: تحریک استشراق کا مقصد نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو مسخ کرنا، دین اسلام کو باطل دین ثابت کرنا، دین اسلام سے متعلق مسلمانوں کی ذہنوں میں شکوک وشبہات ڈالنا ہے۔

(۲): اسلام کے غلبے کا خوف: مغرب میں اسلام کے پھیلاؤ کو روکنا اور عیسائی دنیا کو مسلمان ہونے سے بچانا بھی تحریک استشراق کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ اس مقصد کے تحت مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے اپنی تحقیقات کے ذریعے مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں اہل یورپ کے دلوں میں نفرت، بغض اور تعصب کو جنم دیا۔

(۳): مسلمانوں میں عیسائیت کی ترویج: مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے ان کے دین وعقائد میں تشکیک پیدا کرنا، نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو مسلمانوں کے نظر میں مشکوک کرنا بھی تحریک استشراق کا ایک اہم مقصد ہے۔

(۴): اصلاح مذہب: مسلم مفکر ابن رشد (1037-980) کے فلسفے کے زیر اثر اہل مغرب میں ہی ایک بڑی تعداد مصلحین کی پیدا ہو چکی تھی جنہوں نے اپنے مذہب کی اصلاح کے لیے مسلمانوں کے علوم وفنون کی طرف توجہ دی۔ ایسے مصلحین کو عموماً مسیحی دنیا میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مارٹن لوتھر (Martin Luther (1546-1483 وغیرہ پر اہل روم نے یہ تہمت لگائی کہ وہ مسیحی دین کو دین محمدی ﷺ سے تبدیل کرنا چاہتا ہے۔

(۵): سیاسی مقاصد: استشراقی فکر کا ایک اہم محرک سیاسی ہے۔ اہل مغرب تمام دنیا پر اور خصوصاً مشرق پر حکومت کرنا چاہتے ہیں، جس کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں سے متعلق ہمیشہ ان کا رویہ معاندانہ اور متعصبانہ رہا ہے۔

تحریک استشراق کی ابتدا

یہود ونصاری کی طرف سے اسلام کی مخالفت عہد رسالت ہی میں شروع ہوا تھا۔ لیکن تحریک استشراق مغرب میں یہود ونصاری کی طرف سے اسلام کے خلاف قلمی جنگ کا نام ہے جو ذرا بعد میں شروع ہوا۔ باقاعدہ طور پر تحریک استشراق کا آغاز کب ہوا، اس میں اہل علم حضرات کے اقوال مختلف ہیں۔

بعض اہل علم حضرات کے نزدیک تحریک استشراق کا آغاز آٹھویں صدی عیسوی میں یوحنا دمشقی (749-676) سے ہوتا ہے، جو بنواُمیہ کے دور میں خلیفہ ہشام کے زمانے میں بیت المال میں ملازم تھا۔ اس نے ملازمت ترک کرکے فلسطین کے ایک گرجے میں بیٹھ اسلام کی تردید میں کتابیں لکھنے لگا۔ اس نے اسلام کے خلاف دو کتابیں لکھیں جن میں سے ایک کا نام "محاورۃ مع المسلم" اور دوسری کا نام "ارشادات النصاری فی جدل المسلمین" تھا۔[xxi]

اکثر اہل علم حضرات یوحنا دمشقی کو مشرق کا باشندہ ہونے کی بناء پر مستشرق تسلیم نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی تصنیفات کو تحریک استشراق کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر یوحنا دمشقی کو مستشرق بھی شمار نہ کیا جائے تو بھی تحریک استشراق کا آغاز آٹھویں صدی عیسوی ہی سے ماننا پڑے گا، کیونکہ اسی صدی میں مسلمانوں نے اندلس کو نہ صرف عسکری طور پر فتح کیا تھا بلکہ مسلمانوں کی تہذیب اور ان کے مذہب نے بھی وہاں پر اپنا تسلط قائم کرلیا تھا۔ جب آٹھویں صدی عیسوی میں اندلس فتح ہوا، تو یورپی راہب مشرقی علوم وفنون کے حصول کی خاطر اندلس کی اسلامی سلطنت کی معروف جامعات میں آنے لگے۔ انہوں نے مسلمانوں کے علوم کے یورپی زبانوں میں ترجمے کیے۔ تراجم کے اس کام میں ہر قسم کا مواد شامل تھا۔ فلسفہ، ریاضی، طب، ہیئت، اور دیگر علوم عقلیہ کی کتابیں عربی سے مختلف یورپی زبانوں میں منتقل ہوئیں اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم اور دینی موضوعات کی دیگر کتابوں کو بھی یورپی زبانوں میں منتقل کیا گیا۔[xxii]

اس دور کے اہم شخصیات میں سے ایک فرانسیسی پادری جربرٹ ڈی اوریلیک(946-1003) Gerbert d'Aurillac ہے جو فرانس سے اُندلس آیا۔اشبیلہ اور قرطبہ کے جامعات میں علوم وفنون حاصل کئے۔تعلیم حاصل کرنے کے بعد 999ء سے 1003ءتک پوپ سلویسٹر ثانیSilvester II کے نام سے پاپائے روم کے منصب پر فائز رہا۔ریمنڈ مارٹن(1230-1284) Raymond Martin اور رامون لول(1235-1314) Ramon Llull بھی ان یورپی راہبوں میں سے ہیں جنہوں نے اُندلس میں اسلامی جامعات میں تعلیم حاصل کئے تھے۔ریمنڈ مارٹن نے مسلمان علماء سے علم الکلام سیکھنے کے بعد "خنجر الایمان" (Dagger of the true religion) کے نام سے اہل اسلام اور یہود کے رد میں کتاب لکھی۔[xxiii]

طلیطلہ کادارالترجمہ

طلیطلہ کے رئیس الاساقفہ ڈان ریمنڈ نے ۱۱۳۰ء میں طلیطلہ میں دارالترجمہ قائم کیا۔اس دارالترجمہ میں مسلم، عیسائی اور یہودی علماء نے ریاضی، فلکیات، طب، کیمیا، طبعیات، نفسیات، تاریخ اور سیاسیات کی اہم کتابوں کے ترجمے لاطینی زبان میں کئے۔اس دارالترجمہ کی بدولت طلیطلہ دو سو سال تک برطانیہ، اٹلی، جرمنی اور فرانس کے طلبہ کا مرکز رہا۔وہ طلیطلہ میں آتے، عربی ثقافت کو سیکھتے، پھر اپنے ممالک میں واپس جاکر اس ثقافت کے نور کو پھیلانے میں مصروف ہو جاتے۔[xxiv]

پطرس محترم اور تحریک استشراق

بعض اہل علم کے نزدیک تحریک استشراق کا بانی پطرس محترم(1092-1156) Peter the Venerable ہے جو کلونی فرانس کا باشندہ تھا۔پطرس محترم نے علوم اسلامیہ اور علوم شرقیہ کے مغربی زبانوں میں تراجم کے لیے ایک جماعت تیار کی جس میں مشہور انگریز محقق رابرٹ آف کیٹن Robert of Ketton (1110-1160) بھی شامل تھا، جس نے پہلی مرتبہ قرآن کریم کا لاطینی ترجمہ ۱۱۴۳ء میں مکمل کیا جس کا دیباچہ پطرس محترم نے خود لکھا۔ان تراجم سے پطرس محترم اور اس کے ساتھیوں کا مقصد دین اسلام کی محبت یا اسے سمجھنے کی کوشش نہ تھا بلکہ ان تراجم کا مقصد اسلام کی مخالفت کے لیے عیسائیوں کو مواد فراہم کرنا تھا جس کا اعتراف خود پطرس محترم نے کیا تھا۔[xxv]لیکن اصل میں یہ قول بھی پہلے قول کا تسلسل ہے کیونکہ پطرس محترم نے خود بھی اور اس کی کمیٹی میں شامل زیادہ تر ارکان نے اُندلس کے اسلامی سلطنت کے جامعات میں تعلیم حاصل کئے تھے۔اس زمانے میں جیرارد دی کریمون(1114-1187) Gerarddi Crimon نے ابن سینا اور امام رازی کی پچاس سے زائد کتابوں کو عربی سے لاطینی میں ترجمہ کیا۔[xxvi]

اسی صدی میں ایک پادری فیزابل نے پہلی عربی لاطینی ڈکشنری تیار کی تھی۔[xxvii]

صلیبی جنگیں اور تحریک استشراق

بعض اہل علم نے صلیبی جنگوں(1095-1291) کو تحریک استشراق کا نقطہ آغاز قرار دیا ہے۔جب صلیبی جنگوں نے پورے مغرب میں اسلام دشمنی کو اپنے عروج پر پہنچا دیا تھا اس دور میں مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو اپنی علمی تحقیق کا نہیں بلکہ اپنی الزام تراشیوں کا ہدف بنایا اور تاریخی حقائق کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنے تخیل کی بلند پروازی کے ذریعے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔[xxviii]

اسلام کے خلاف کارروائیوں میں ان کا بنیادی شکار نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات رہی۔اس دور میں انہوں نے فرضی تصویری کہانیوں، افسانوں، ناولوں اور ڈراموں کے ذریعے نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات، آپ کی تعلیمات اور آپ کے پیروکاروں کی کردارکشی کی۔لیکن اسلام دشمنی میں مستشرقین کا جو غیر علمی اور متعصبانہ رویہ اس دور میں رائج تھا، وہ صرف اسی دور کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مستشرقین کے اس رویے کی جھلک ہر دور کے مستشرقین کے کام میں نظر آتی ہے۔

تحریک استشراق کے صلیبی جنگوں سے پہلے دور میں جب مستشرقین اسلامی علوم کو اپنی زبانوں میں میں منتقل کرنے اور انہیں اپنی قوم میں پھیلانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے، اس دور میں بھی تعصب اپنے پورے جوبن پر تھا۔ یوحنا دمشقی نے بھی اسلام کو نقصان پہنچانے کی غرض ہی سے کتابیں لکھی تھیں اور قرآن کریم کا ترجمہ پطرس محترم نے بھی اسی غرض سے کرایا تھا۔ لیکن صلیبی جنگوں سے پہلے اور اس کے بعد دونوں ادوار میں فرق یہ ہے کہ پہلے دور کے مستشرقین اسلام پر اعتراض کرنے کے لیے اسلام کی تاریخ اور تعلیمات میں ہی اس اعتراض کی بنیاد تلاش کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ جبکہ دوسرے دور کے مستشرقین کا تکیہ صرف اپنے تخیل کی پرواز پر تھا۔ انہیں اسلام کے خلاف لکھنے کے لیے نہ عربی زبان سیکھنے کی ضرورت تھی اور نہ دین اسلام کی تعلیمات کی حقیقت سے آگاہ ہونا ان کے لیے ضروری تھا۔ وہ تو اسلام کو سب سے بڑی برائی سمجھتے تھے اور نبی کریم ﷺ کو (معاذ اللہ) ہر برائی کا منبع سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کا عقیدہ تھا کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف جو چاہیں لکھیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تحریک استشراق کے اس دور میں اسلام اور نبی کریم ﷺ کے خلاف جو کچھ لکھا گیا، اس پر بعد کے مستشرقین خود بھی شرمندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی طرف سے اپنے متقدمین کے اس رویے پر شرمندگی کا اظہار اس وجہ سے نہیں کہ وہ اسلام کے بارے میں منصفانہ رویے کو ضروری سمجھتے ہیں بلکہ اس لیے ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ علمی ترقی کے اس دور میں اس قسم کی فرضی داستانیں اور الزام تراشیاں، اسلام کی نسبت ان کی تحریک کو زیادہ نقصان پہنچائیں گی اور یہ غیر علمی اور غیر منطقی رویہ مستشرقین اور ان کی تحریک کے متعلق منفی تاثرات پیدا کرے گا۔

منٹگمری واٹ، فلپ۔ کے۔ ہٹی اور کیرن آرم سٹرانگ کی تحریرات میں متقدمین کے اس رویے پر باقاعدہ طور پر تنقید کیا گیا ہے۔[xxix]

حکومتی سرپرستی میں تحریک استشراق کے ارتقا

جس طرح ہر دور میں مستشرقین انفرادی طور پر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف کوششوں میں مصروف رہے ہیں اسی طرح اکثر اوقات میں ان کو حکومتی سرپرستی بھی حاصل رہا ہیں۔ مثلاً: قشتالیہ کے بادشاہ الفانسو دہم کا قائم کردہ اعلیٰ تعلیمات کے ادارہ میں کام کرنے والے مستشرقین، سسلی کے بادشاہ فریڈرک ثانی کے قائم کردہ دارالترجمہ میں کام کرنے والے مستشرقین اور سترہویں صدی عیسوی میں کے بادشاہ لوئی چہاردہم۔

قشتالیہ کے بادشاہ الفانسو دہم (1254-1284)

قشتالیہ Castile کے بادشاہ الفانسو دہم (Alfonso X (1284-1254 نے مرسیا Murcia میں 1269ء میں اعلیٰ تعلیمات کے لیے ایک ادارہ بنایا جس میں مسلمان، عیسائی اور یہودی علماء عربی کتب کے ترجمے مختلف یورپی زبانوں میں کرتے تھے۔ اس ادارے نے تالمود، انجیل اور قرآن کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ کیا۔ بعض اہل علم نے اس ادارے کو تحریک استشراق کا آغاز قرار دے دیا ہے۔[xxx]

سسلی کے بادشاہ فریڈرک ثانی (1236-1220)

تیرہویں صدی عیسوی میں سسلی کے بادشاہ فریڈرک ثانی نے مائیکل سکاٹ کی سرکردگی میں دارالترجمہ قائم کیا۔ اس ادارے نے مائیکل سکاٹ کی نگرانی میں بعض اسلامی علوم کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔ شاہ سسلی نے ان ترجمہ شدہ کتابوں کے کئی نسخے تیار کرائے اور انہیں یورپ کی جامعات، مدارس اور دیگر علمی اداروں کو بطور تحفہ بھجوایا۔ ان میں سے کچھ کتابیں یورپ میں سترہویں صدی عیسوی تک پڑھائی جاتی رہیں۔[xxxi]

کیتھولک چرچ کے کونسل

16 اکتوبر 1311ء کو جرمنی میں کیتھولک چرچ کے پندرہویں کونسل، کونسل آف وے یان Council of Vienne منعقد ہوئے جو 1312ء تک جاری رہا۔ اس کونسل میں کئی قرار دادیں منظور کی گئی جس میں ایک قرارداد میں پانچ یورپی جامعات میں عربی چیئرز قائم کرنے کی سفارش کی گئی تھی، جس میں جامعہ

پیرس(University of Paris)، جامعہ آکسفورڈ(University of Oxford)، جامعہ کیمبرج(University of Cambridge)، جامعہ سلمنکا (University of Salamanca)اور جامعہ بولونیا(University of Bologna)شامل تھیں۔ پس اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ تحریک استشراق کا آغاز 1312ء میں کونسل آف وے یان میں منظور کردہ اس قرارداد سے ہوا، جس کے مطابق کئی ایک یورپی جامعات میں عربی زبان کی چیئرز قائم کرنے کا فیصلہ صادر ہوا تھا۔[xxxii]

تحریک استشراق کے آغاز سے متعلق اہل علم حضرات کی جتنی آراء کا تذکرہ مندرجہ بالا سطور میں ہوا ہے، ہمارے نزدیک اصل میں یہ تحریک استشراق کے مختلف ارتقائی مراحل ہیں، کیونکہ تحریک استشراق کا آغاز آٹھویں صدی عیسوی میں اس وقت ہوا تھا جب اندلس فتح ہوا اور یورپی راہب مشرقی علوم وفنون کے حصول کی خاطر اندلس کی اسلامی سلطنت کی معروف جامعات میں آنے لگے۔

مستشرقین کا کتبوں اور مخطوطات کا جمع کرنا

مستشرقین نے مختلف ادوار میں اسلامی ممالک سے مخطوطات کو جمع کرنے کے عمل کو جاری رکھا۔ 1671ء میں فرانس کے بادشاہ لوئی چہاردہم نے تمام اسلامی ممالک سے مخطوطات خریدنے کے لیے اپنے کارندے بھیجے اور انہیں فرانس کے تمام سفارت خانوں کے نام یہ شاہی فرمان لکھ کر دیا کہ تمام سفارت خانے اپنے مالی اور افرادی وسائل کو اس مقصد کے لیے استعمال کریں۔ بلکہ مغربی حکومتوں نے مستشرقین کے نگرانی میں عربوں کے علمی ورثے اور مشرقی اور اسلامی کتابوں کو جمع کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا۔ انہوں نے اہل مشرق کی کمزوری اور عالم مشرق پر اپنے تسلط کو غنیمت سمجھا۔ مساجد اور دوسرے مقامات پر انہیں جو قیمتی مخطوطات ملے انہوں نے انہیں ردی کے بھاؤ خریدا اور ان کے مختلف ادارے اس علمی ورثے کو اہل مغرب کے مفادات کے لیے قابل استعمال بنانے کی کوششوں میں لگ گئے۔[xxxiii]

آج کل یورپ کے لائبریریوں میں اسلامی اور مشرقی علوم کے لاکھوں مخطوطات موجود ہیں۔

مغرب میں عربی اور سامی زبانوں کی تدریس کے شعبے

مستشرقین نے عربی زبان کی اہمیت کو بہت پہلے سمجھ لیا تھا اور جیسے پہلے گزر چکا ہے کہ 1312ء میں جرمنی میں کیتھولک چرچ کے پندرہویں کونسل، کونسل آف وے یان Council of Vienne میں یورپ کے مختلف یونیورسٹیوں میں عربی کی تدریس کے لیے Chairs قائم کرنے کی منظوری دی گئی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کام میں تیزی آگئی اور یورپ اور امریکہ میں عربی کی تدریس کے اداروں کا جال بچھ گیا۔[xxxiv]

آج کل یورپ اور امریکہ کے تقریباً ہر بڑی یونیورسٹی میں عربی زبان اور اسلامی علوم کا شعبہ قائم ہے۔

مستشرقین کی کانفرنسیں

مستشرقین نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا کہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں انفرادی کوششوں سے زیادہ اجتماعی کوششیں مفید ثابت ہوتی ہیں۔ استشراق کے کام کا جامع پروگرام وضع کرنے، ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اُٹھانے اور اپنی کوششوں کو تقسیم کار کے اصول پر منظم کرنے کے لیے مستشرقین نے کئی کانفرنسیں منعقد کیں۔ ان کانفرنسوں میں ہر مستشرق نے اپنی تحقیق کا نچوڑ اپنے دوسرے تحریکی ساتھیوں کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اپنی گزشتہ کارروائیوں کا جائزہ لیا اور آئندہ کے لیے پروگرام وضع کیا۔ اس طرح یہ کانفرنسیں تحریک استشراق کے کام کی رفتار کو تیز کرنے میں بہت مفید ثابت ہوئیں۔

مستشرقین کی پہلی کانفرنس 1873ء میں پیرس میں منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنسیں مختلف وقفوں کے بعد مسلسل منعقد ہوتی رہیں۔ 1964ء تک مستشرقین کی ان کانفرنسوں کی تعداد بیس تک پہنچ گئی۔ آکسفورڈ میں مستشرقین کی جو کانفرنس منعقد ہوئی، اس کے مندوبین کی تعداد نوسو تھی، جو پچیس ممالک، پچاسی یونیورسٹیوں

اور انہتر علمی تنظیموں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ مستشرقین کی بین الاقوامی کانفرنسوں کے علاوہ مختلف ممالک کے مستشرقین کی قومی کانفرنسیں بھی منعقد ہوتی رہی ہیں۔[xxxv]

اسلام پر مستشرقین کے حملوں کی جہات

گزشتہ سطور سے یہ حقیقت واضح ہو چکا ہے کہ تحریک استشراق کی صدیوں پر مشتمل تاریخ، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ دشمنی سے عبارت ہے۔ یہ تحریک اسی مقصد کے تحت وجود میں آئی اور اسی مقصد کی تکمیل کے لیے صدیوں مصروف جدوجہد رہی۔ اگرچہ مستشرقین نے اس موضوع سے ہٹ کر بھی کام کیا ہے لیکن ان کی اس قسم کی کوششیں ضمنی کام کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا اصل مقصد ہر دور میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالفت رہا ہے اور یہ مقصد کبھی ان کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا۔

اٹھارویں صدی عیسوی سے مستشرقین نے اسلام کے جن جہتوں پر حملے شروع کیے ہیں ہم آسانی کے ساتھ ان جہتوں کو مندرجہ ذیل پانچ اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1) قرآن کریم پر اعتراضات
2) احادیث نبویہ پر اعتراضات
3) فقہ اسلامی پر اعتراضات
4) سیرت رسول ﷺ پر اعتراضات
5) تاریخ اسلام پر اعتراضات

قرآن کریم اور مستشرقین

وہ مستشرقین جنہوں نے اپنی تحقیقات کا محور قرآن کریم بنایا ہے ان میں سر فہرست تھیڈو نولڈیکے[xxxvi] Theodor Noldeke (1930-1836) ہے۔ تھیڈو نولڈیکے قرآنیات میں مستشرقین کا امام مانا جاتا ہے۔ اس کی کتاب "تاریخ قرآن" The History of the Quran" مستشرقین کی نظر میں علوم قرآن پر ایک مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں تھیڈو نولڈیکے نے وحی، رسم قرآنی، مختلف قرآت، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں تدوین قرآن اور قرآن کریم کے ترتیب نزولی کو ہدف تنقید بنایا ہے۔

مالک حسین شعبان نے ۲۰۱۱ء میں یرموک یونیورسٹی، اُردن سے قراءات اور رسم عثمانی کے بارے تھیڈو نولڈیکے کے افکار پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ ان کے مقالے کا عنوان "القراآت القرآنية فی كتاب تاريخ القرآن للمستشرق الالمانی نولدكه: عرض ونقد" ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر رضا محمد الدقیقی نے بھی جامعہ ازہر، مصر سے تھیڈو نولڈیکے پر پی ایچ ڈی مکمل کی ہے۔ اُن کے مقالے کا عنوان "قراءة نقدية جديدة لكتاب تاريخ القرآن لنولدكه" ہے۔ ان مقالات میں تھیڈو نولڈیکے کے افکار کو ہدف تنقید بنایے گئے ہیں۔

قرآنیات پر کام کرنے والے مستشرقین میں ایک اور بڑا نام ولیم کلیر ٹزڈال[xxxvii] William Clair Tisdall (1928-1859) ہے۔ اس نے The Original Sources of the Quran کے نام سے کتاب لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے قرآن کریم وحی الٰہی یا آسمانی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ دور جاہلیت کے عرب مذاہب، عیسائیت، یہودیت، صابیت، حنیفیت اور دین زرتشت کے افکار و اعمال کا ملغوبہ ہے۔

قرآنیات پر کام کرنے والے مستشرقین میں سے ایک رچرڈ بیل[xxxviii] Richard Bell (1952-1876) ہے۔ رچرڈ بیل نے قرآن کریم میں کمی بیشی کا دعوی کیا ہے اور دلیل کے طور پر بعض متواتر اور شاذ قراءات بیان کیا ہے۔ اس نے قرآن کریم میں کچھ عبارتوں کے اضافے کا تجویز بھی دیا ہے کیونکہ اس کے بقول وہ

عبارات نامکمل ہیں اور یہ اضافے ان کی تکمیل کا باعث ہیں۔ رچرڈ بیل قرآن کریم کے تصور توحید اور اسماء وصفات جیسے مضامین کے مصادر متعین کرنے کی کوشش کی بھی ہے۔اس کے علاوہ رچرڈ بیل نے قرآن کریم پر کئی اور اعتراضات بھی کی ہے۔

ڈاکٹر زکریا علی محمود الحضر نے اپنی کتاب "آراء المستشرق ریتشارد بیل فی نظم سورة المؤمنین: عرض ونقد" میں رچرڈ بیل کے سورة مؤمنون کے بارے میں نظریات کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان نے بھی اپنے مقالہ " آراء المستشرقین حول القرآن الکریم وتفسیرہ: دراسة ونقد" میں رچرڈ بیل کے خیالات کا مفصل رد پیش کیا ہے۔

قرآنیات پر کام کرنے والے مستشرقین میں سے ایک آرتھر جیفری[xxxix](Arthur Jeffery) ہے۔اس کے نزدیک قرآن کریم کوئی مستند مذہبی کتاب نہیں ہے۔ آرتھر جیفری نے قرآن کریم کی استنادی حیثیت کو مشکوک بنانے کے لیے مختلف اعتراضات کی ہے۔

ریجیس بلاشیے (1900-1973) Regis Blacher[xl] ، آرتھر جان آربری (1905-1969) ، جان ایڈورڈ وانس بارا[xli] John Edward Wansbrough (1928-2002) ، ولیم منٹگمری واٹ[xlii] William Montgomery Watt (1909-2006) اور جان برٹن John Burton (1929-2014) [xliii] نے کوشش کی ہے کہ قرآن پاک کو نبی کریم ﷺ کا ذاتی تصنیف اور ایک انسانی کاوش ثابت کیا جائے اور اس کے ماخذ ومصادر کو متعین کیا جائے۔

ڈاکٹر محمد مہر علی نے اپنی کتاب ‘‘The Quran and the Orientalists’’ میں، ڈاکٹر محمد خلیفہ نے The Sublime Quran and Orientalism میں اور دیگر علمائے کرام نے قرآن کریم پر ان کے اعتراضات کے مفصل جوابات دیے ہیں۔

حدیث اور مستشرقین

مستشرقین نے علوم اسلامیہ کی دیگر شاخوں کے ساتھ حدیث نبوی ﷺ کو بھی موضوع بحث بنایا ہے۔ حدیث پر جن مستشرقین نے تنقید کیا ہے اس میں چند مشہور نام درج ذیل ہیں۔

گستاف وائل[xliv] Gustav Weil (1808-1889) ، ایلائس سپرنگا[xlv] Aloys Sprenger (1813-1893) ، ولیم میور[xlvi] William Muir (1819-1905) ، اگناس گولڈ زیہر[xlvii] Ignaz Goldziher (1850-1921) ، جوزف شاخت[xlviii] Josef Schacht (1902-1969) ، نابیہ ایبٹ[xlix] Nabia Abbott (1897-1981) اور جیمز روبسن[l] James Robson (1890-1981) ہیں۔

تھیڈو نولڈیکے جس طرح قرآنیات میں مستشرقین کا امام ہے تو بالکل اسی طرح اگناس گولڈ زیہر کو علوم حدیث میں مستشرقین کی پیشوائی کا مقام حاصل ہے۔ گولڈ زیہر ہی وہ پہلا مستشرق ہے جس نے حدیث پر باقاعدہ نقد کرتے ہوئے اپنا نقطہ نظر جامع، منظم اور محقق انداز میں پیش کیا۔ گولڈ زیہر سے پہلے گستاف وائل کا نام ہمیں ملتا ہے جس نے یہ رائے پیش کی کہ صحیح بخاری کی تمام روایات کو رد کر دینا چاہیے۔اس کے کچھ عرصہ بعد ایلائس سپرنگا نے یہ بات کہی کہ ذخیرہ احادیث کی ایک بڑی تعداد موضوع کی نسبت صحیح احادیث پر مشتمل ہے۔ بعد ازاں ولیم میور نے حدیث کی صحت وضعف معلوم کرنے کے لیے اپنا ایک ذاتی معیار متعارف کروایا۔اس کے نزدیک احادیث کی حیثیت ایک تاریخی ریکارڈ کی سی ہے۔ان مستشرقین کے بعد گولڈ زیہر نے Muhammedanische Studien (Muslim studies) کے نام سے ایک کتاب مرتب کی، جس میں اس نے حدیث کے متعلق اپنا "وضع حدیث" کا نظریہ پیش کیا۔ گولڈ زیہر کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اپنے ذاتی مسائل اور مفادات کے خاطر احادیث گھڑنے کا عمل شروع کیا۔ گولڈ زیہر کے بقول بنوامیہ کے دور میں احادیث گھڑنے کے عمل میں اضافہ ہوا اور یہ کام علماء نے کیا۔اس کا خیال ہے کہ اکثر احادیث پہلی دو صدیوں میں اسلام کی مذہبی، تاریخی اور سماجی ترقی کا نتیجہ ہے۔ جوزف شاخت بھی حدیث کے بارے میں اپنے پیش رو گولڈ زیہر کے افکار سے متاثر ہے۔ جوزف شاخت کہتے ہے کہ احادیث کی کتب میں فقہی مسائل سے

متعلق جو روایات ہمیں ملتی ہیں وہ امام مالک اور امام شافعی کے زمانے کے بعد گھڑی گئیں ہیں۔اس کے بقول اگرچہ گھڑنے کی ابتدا دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں ہو چکی تھی۔

بیسویں صدی عیسوی میں امریکی مستشرق نابیہ ایبٹ نے اگناس گولڈ زیہر اور جوزف شاخت کے نقطہ نظر کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں نے احادیث کے جن مخطوطات پر تحقیق کی ہے، اس کے مطابق احادیث زبانی اور تحریری دونوں صورتوں میں نبی کریم ﷺ کے زمانے سے نسل در نسل نقل ہوتی چلی آئی ہیں، لہذا ان کے بارے میں یہ دعوی کرنا کہ یہ دوسری یا تیسری صدی ہجری میں وضع کی گئیں، غلط ہے۔نابیہ ایبٹ نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ یہ غلط فہمی احادیث کی اسناد کے میکانزم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

ان مستشرقین کے علاوہ جیمز روبسن نے بھی حدیث پر تنقید کیا ہے لیکن وہ بھی بنیادی طور پر جوزف شاخت ہی سے متاثر ہے۔

ڈاکٹر محمد مصطفی اعظمی نے ۱۹۶۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی، برطانیہ سے Studies in early Hadith Literature کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جس میں اس نے اگناس گولڈ زیہر اور جوزف شاخت کا نظریہ وضع احادیث کا علمی محاکمہ کیا۔ڈاکٹر نورالدین نے Authenticity of Hadith Literature: With Special Reference to Orientalist Views میں بھی اگناس گولڈ زیہر، جوزف شاخت اور جیمز روبسن کی نظریات کو ہدف تنقید بنایا ہے۔اس کے علاوہ ڈاکٹر عجیل جاسم النشمی نے "المستشرقون ومصادر التشريع الاسلامی" میں،ڈاکٹر سعد المرصفی نے "المستشرقون والسنة" میں،ڈاکٹر حاکم عبیسان المطیری نے "تاريخ تدوين السنة وشبهات المستشرقين" میں،ڈاکٹر ضیاء العمری نے "موقف الاستشراق من السنة والسيرة النبوية" میں،ڈاکٹر محمد بہاء الدین نے "المستشرقون والحديث النبوی" میں اور دیگر علماء نے مستشرقین کے ان نظریات کا مفصل نقد کیا ہے۔

فقہ اسلامی اور مستشرقین

قرآن، حدیث اور سیرت کے علاوہ مستشرقین نے فقہ اسلامی کو بھی اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا ہے۔ابتداء میں بعض فقہی کتب کے عربی سے انگریزی اور دیگر زبانوں میں تراجم کیے گیے، جبکہ بعد ازاں اسلامی قانون کے بارے میں مستشرقین نے اپنے نقطہ ہائے نظر بھی بیان کرنا شروع کر دیے۔مستشرقین نے فقہ اسلامی کے بارے تشکیک وشبہات وارد کر کے اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوششیں کیے۔جن مستشرقین نے فقہ اسلامی پر تنقید کیے ہیں ان میں سر فہرست ڈنکن بلیک میکڈونلڈ[li] Duncan Black Macdonald (1943-1863)، جوزف شاخت Josef Schacht (1902-1969) اور نورمن کولڈر[lii] Norman Calder (1950-1998) ہیں۔

جوزف شاخت کے نقطہ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام میں نبی کریم ﷺ کو کوئی قانونی حیثیت حاصل نہیں تھی اور نہ آپ ﷺ کا مقصد امت مسلمہ کو کوئی قانونی نظام دینا تھا بلکہ فقہی اسلامی نبی کریم ﷺ کی وفات کے ایک صدی بعد دوسری صدی ہجری کے پیداوار ہے۔اس کا کہنا ہے کہ قدیم فقہی مذاہب دوسری صدی ہجری میں وجود میں آ گئیں، ہر مکتبہ فکر نے اپنا فقہی موقف ثابت کرنے کے لیے احادیث کا ایک ذخیرہ گھڑ کر آپ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔جوزف شاخت کہتا ہے کہ یہ مسلمان علماء کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے ہزاروں قانونی اور فقہی احادیث پر مشتمل ذخیرہ وضع کر کے ایک عظیم اسلامی قانون کی بنیاد رکھی۔ڈاکٹر محمد مصطفی اعظمی نے اپنی کتاب "On Schacht's Origins of Muhammadan Jurisprudence" میں اس کے نظریات کا علمی محاکمہ کیا ہے۔

مستشرقین کی ایک جماعت کا دعوی یہ ہے کہ اسلامی قانون "رومی قانون" ہی سے ماخوذ ہے۔ڈاکٹر السید الدسوقی عید نے " استقلال الفقه الاسلامی عن القانون الرومانی والرد علی شبه المستشرقين" کے نام سے ایک کتاب اس فکر کے رد میں لکھی ہے۔اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد الدسوقی نے عربی زبان

میں " الاستشراق والفقه الاسلامی " کے نام سے ایک مختصر کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے فقہ اسلامی پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات دیا ہے۔ ڈاکٹر عجیل جاسم النشمی نے بھی اپنی کتاب " المستشرقون ومصادر التشريع الاسلامی " میں فقہ اور اصول فقہ پر مستشرقین کے اعتراضات کا مفصل جوابات دیا ہے۔

سیرت اور مستشرقین

قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی کے علاوہ مستشرقین نے سیرت نبوی ﷺ کو بھی اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا ہے۔ بلکہ تحریک استشراق کی ابتداء ہی اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ پر اعتراضات سے ہوئے تھے۔ سیرت کے بارے میں مستشرقین کے رویوں اور نقطہ نظر کو ہم دو ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا دور قرون وسطیٰ کے مستشرقین کا ہے جو (معاذ اللہ) نبی کریم ﷺ کو جعل ساز، مکار، فریبی اور جھوٹا نبی تک قرار دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے بارے میں مستشرقین کے پہلے دور کا رویہ ایسا ہے کہ معاصر مغرب کو بھی اس پر افسوس ہے اور معاصر مستشرقین نے اس کا برملا اظہار کیا ہے۔ دوسرے دور کا آغاز انیسویں صدی عیسوی سے ہوتا ہے۔ اس دور میں عام طور نبی کریم ﷺ کے اخلاص پر تو کسی شک کا اظہار نہیں کیا گیا، لیکن آپ کے دعوائے نبوت کو معصومانہ وہم قرار دیا گیا اور اس کا تعلق کسی نوع کے نفسیاتی خلل سے قائم کر دیا گیا۔ ڈاکٹر محمد مہر علی کے نزدیک دوسرے دور کا آغاز تھامس کارلائل[liii] Thomas Carlyle (1795-1881) سے ہوتا ہے۔ اس دور کے مشہور مستشرقین میں ایلائس سپرنگا (Aloys Sprenger (1893-1813، ولیم میور William Muir (1905-1819)، ڈیوڈ صموئیل مارگولیتھ[liv] David Samuel Margoliouth (1940-1858) اور ولیم منٹگمری واٹ William Montgomery Watt (2006-1909) ہیں۔ ایلائس سپرنگا نے اپنی کتاب The life of Mohammad میں، ولیم میور نے The life of Muhammad from Original Sources میں، ڈیوڈ صموئیل مارگولیتھ نے Mohammad and the Rise of Islam میں اور ولیم منٹگمری واٹ نے Muhammad at Mecca اور Muhammad at Medina میں نبی کریم ﷺ کی سیرت پر تنقید کیا ہے۔ ان مستشرقین کے نزدیک نبی کریم ﷺ نہ تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں اور نہ ہی قرآن کریم کوئی آسمانی کتاب ہے۔ بلکہ وہ آپ ﷺ کو مخلص گردانتے ہوئے وحی کے سلسلے کو خطائے حس قرار دیتے ہیں۔ ان کے بقول نبی کریم ﷺ نے غار حرا میں امر واقعی میں کسی فرشتے یا جبرئیل علیہ السلام کو نہیں دیکھا تھا بلکہ مراقبوں کی کثرت کی وجہ سے آپ اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ آپ نے غار حرا میں کسی کو دیکھا ہے یا کسی نے وہاں آپ سے کچھ پڑھنے کو کہا ہے۔ مستشرقین کی ایک جماعت آپ ﷺ کو محض ایک سماجی مصلح قرار دیتے ہوئے آپ کی تعریف میں رطب اللسان رہتی ہے۔ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کو ایک بہترین انسان اور ایک اچھا قومی رہنما ماننے کو تیار ہیں لیکن رسول یا نبی ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ اس دور کے یہ سب مستشرقین الگ الگ راگ الاپنے کے باوجود اپنے مقصد میں یکسو ہیں اور وہ نبی کریم ﷺ کی پیغمبرانہ حیثیت کا انکار کرنا ہے۔

ڈاکٹر محمد مہر علی نے اپنی کتاب Sirat al-Nabi and the Orientalist میں ان مستشرقین کے نقطہ نظر کا خوب رد کیا ہے۔ ڈاکٹر جبل محمد نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ Image of the Prophet Muhammad in the West: A Study of Muir, Margoliouth and watt میں بھی ولیم میور، مارگولیتھ اور منٹگمری واٹ کے اعتراضات کا مفصل جوابات دیا ہے۔ ولیم میور کی کتاب کے جواب دینے کے خاطر سر سید احمد خان نے لندن کا سفر کیا اور سر ولیم میور کے رکیک اعتراضات کا جواب دیا۔ یہ کتاب "خطبات احمدیہ" کے نام سے ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی لندن سے شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ عبداللہ محمد الامین النعیم نے بھی اپنی کتاب "الاستشراق فی السيرة النبوية" میں اور ڈاکٹر خضر شایب نے "نبوة محمد فی الفکر الاستشراقی" میں مستشرقین کے نظریات کا خوب رد کیا ہے۔

تاریخ اسلام اور مستشرقین

قرآن، حدیث، فقہ اسلامی اور سیرت کے علاوہ مستشرقین نے تاریخ اسلام کو بھی اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا ہے۔اس میدان میں بھی ان کی تحقیق کا ایک بڑا حصہ بہتان، جھوٹ اور بے سروپا کہانیوں پر مبنی ہے تاکہ تاریخ اسلام کی اصل تصویر کو مسخ کیا جا سکے۔

جن مستشرقین نے تاریخ اسلام پر تنقید کیے ہیں ان میں سرفہرست کارل بروکلمان[lv] Carl Brockelmann (1956-1868) ، رینالڈ ایلین نکلسن[lvi] Reynold Alleyne Nicholson (1945-1868) ، ہاملٹن الیگزینڈر راسکین گب[lvii] Hamilton Alexander Rosskeen Gibb (1971-1895) اور برنارڈ لیوس[lviii] Bernard Lewis (1916-2018) ہیں۔

تاریخ اسلام پر طعن کے لیے مستشرقین کے بنیادی مصادر میں سے ایک امام احمد بن ابی یعقوب (م: ۲۹۰ھ) کی کتاب "تاریخ یعقوبی" اور دوسرا امام ابوالفرج علی بن حسین اصفہانی (م: ۳۵۶ھ) کی کتاب "کتاب الاغانی" ہے۔یہ دونوں کتابیں اہل تشیع کے منہج پر مرتب کی گئی ہے اور علماء اسلام کے نزدیک غیر مستند ہیں۔خطیب بغدادی (م: ۴۶۳ھ)، علامہ ابن جوزی (م: ۵۹۷ھ) اور امام ابن تیمیہ (م: ۷۲۸ھ) وغیرہ نے اس کتاب پر اس اعتبار سے شدید نقد کی ہے کہ یہ رطب ویابس کا مجموعہ ہے اور جھوٹ و کذب سے بھری پڑی ہے۔

مسلمان علماء کرام نے ان مستشرقین کا بھی تعاقب کیا ہے جنہوں نے تاریخ اسلام کو مسخ کرنے کی کوششیں کی ہے۔ڈاکٹر ناصر عبدالرزاق الملا جاسم نے اپنی پی ایچ ڈی کے مقالے " المستشرق هاملتون جب: دراسة نقدية لتطور موافقه من التاريخ والحضارة العربية الاسلامية" میں ہاملٹن گب کے افکار کا علمی محاکمہ کیا ہے۔جامعہ ازہر سے سعید سلیم محمد رضوان نے بھی " شبهات المستشرق هاملتون حول الاسلام من خلال كتابه فى حضارة الاسلام وتنفيذها" میں بھی ہاملٹن گب کے افکار کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ڈاکٹر مازن صلاح مطبقانی نے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ برنارڈ لیوس پر کیا ہے جس کا عنوان "منهج المستشرق برنارد ليوس فى دراسة الجوانب الفكرية فى التاريخ الاسلامى" ہے۔ڈاکٹر سامی احمد الزھو کا پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی برنارڈ لیوس کے بارے میں ہے ،جس کا عنوان "اتجاهات الاستشراق الامريكى والتاريخ الاسلامى: برنارد ليوس انموذجا" ہے۔

نتائج البحث

اس تحقیقی مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ استشراق محض مشرقی علوم وفنون کے مطالعے کا نام نہیں بلکہ ایک وسیع اور پیچیدہ علمی، تاریخی، مذہبی، سیاسی اور تہذیبی مظہر ہے جس نے مختلف ادوار میں مختلف صورتیں اختیار کیں۔اس کی ابتدا کے تعین کے بارے میں اہلِ علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے؛ بعض محققین اسے یوحنا دمشقی سے، بعض اندلس میں یورپی اہلِ علم کی آمد سے، بعض پطرس محترم اور اس کے تراجم کے منصوبے سے، بعض صلیبی جنگوں سے اور بعض 1312ء کی کونسل آف ویانا میں عربی زبان کی تدریس کے لیے قائم ہونے والی جامعاتی کرسیاں سے وابستہ کرتے ہیں۔تاہم اس تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ تمام واقعات دراصل تحریکِ استشراق کے مختلف ارتقائی مراحل کی نمائندگی کرتے ہیں، جن میں ابتدائی مذہبی مناظرات سے لے کر ترجمہ، علمی تحقیق، ادارہ سازی اور جدید جامعاتی مطالعات تک اس تحریک نے تدریجی ارتقاء حاصل کیا۔

تحقیق سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ استشراق کی اصطلاح اپنی موجودہ علمی معنویت میں نسبتاً جدید ہے اور قدیم عربی لغات میں "استشراق" اور "مستشرق" بطور اصطلاح موجود نہیں تھے۔اگرچہ "شرق" کا مادہ قدیم عربی زبان میں موجود تھا، تاہم بابِ استفعال میں "استشراق" کا اصطلاحی استعمال بعد کے زمانے میں سامنے آیا۔اسی طرح مغربی علمی روایت میں Orientalism اور Orientalist کی اصطلاحات بھی بتدریج مخصوص علمی مفہوم اختیار کرتی گئیں۔ جدید دور میں Orientalism کی اصطلاح پر ہونے والی تنقید کے نتیجے میں Area Studies، Islamic Studies، Arab Studies اور

دیگر متبادل علمی اصطلاحات رائج ہوئیں، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ استشراق کی اصطلاح محض لغوی تبدیلی کا مسئلہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ وابستہ علمی، سیاسی اور تہذیبی مفاہیم بھی وقت کے ساتھ تبدیل ہوتے رہے ہیں۔

اس مطالعے سے یہ نتیجہ بھی سامنے آتا ہے کہ استشراق کے محرکات یکساں اور یک جہتی نہیں تھے بلکہ ان میں طبعی، تاریخی، مذہبی، استعماری اور علمی محرکات بیک وقت کارفرما رہے۔ بعض اہلِ مغرب نے محض علمی جستجو اور مشرقی زبانوں و علوم سے استفادے کی خاطر اسلامی اور مشرقی مصادر کی طرف توجہ کی، جبکہ بعض کے ہاں مذہبی مناظرات، عیسائیت کے دفاع، اسلام کے خلاف فکری جدوجہد، استعماری مفادات اور مشرقی معاشروں کو سمجھنے اور ان پر اثرانداز ہونے کے مقاصد نمایاں تھے۔ لہٰذا تمام مستشرقین کو ایک ہی مقصد اور ایک ہی ذہنی منہج کا حامل قرار دینا علمی طور پر درست نہیں؛ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ استشراقی سرگرمیوں کے ایک بڑے حصے نے مذہبی اور استعماری مفادات سے گہرا تعلق رکھا۔

تحقیق سے یہ امر بھی واضح ہوا کہ یورپ میں ترجمہ مراکز، جامعات، عربی و اسلامی مطالعات کے شعبہ جات، مخطوطات کے ذخائر اور بین الاقوامی کانفرنسوں کا قیام استشراق کے ادارہ جاتی ارتقاء میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اندلس اور طلیطلہ کے مراکزِ ترجمہ سے شروع ہونے والا یہ علمی عمل بعد ازاں یورپ کی مختلف جامعات تک پھیلا اور عربی زبان و اسلامی علوم کی باقاعدہ تدریس کے لیے مستقل علمی ادارے قائم ہوئے۔ کونسل آف ویانا میں عربی زبان کی تدریس کے لیے جامعات میں کرسیاں قائم کرنے کی سفارش، شاہی و حکومتی سرپرستی، مشرقی مخطوطات کی وسیع پیمانے پر جمع آوری اور بعد میں مستشرقین کی بین الاقوامی کانفرنسوں کا انعقاد اس بات کی علامت ہے کہ استشراق رفتہ رفتہ انفرادی علمی کاوش سے نکل کر ایک منظم اور ادارہ جاتی علمی روایت میں تبدیل ہو گیا۔

یہ تحقیق اس نتیجے تک بھی پہنچتی ہے کہ مخطوطات اور اسلامی علمی ورثے کی تدوین، اشاعت، ترجمہ اور حفاظت میں مستشرقین کی خدمات کو کلی طور پر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ متعدد اسلامی اور مشرقی مصادر جو مختلف وجوہ سے محدود حلقوں میں موجود تھے، مستشرقین کی کوششوں سے طبع ہوئے، ان کے تراجم کیے گئے اور انہیں عالمی علمی حلقوں تک پہنچایا گیا۔ تاہم دوسری طرف مشرقی ممالک سے مخطوطات کے بڑے پیمانے پر حصول، ان کے یورپی کتب خانوں میں منتقل ہونے اور بعض اوقات کم قیمت پر خریدے جانے کا عمل علمی ورثے کی منتقلی کے ساتھ ساتھ استعماری طاقت اور علمی وسائل کے عدم توازن کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ اس لیے اس پہلو کا جائزہ محض علمی خدمت کے عنوان سے نہیں بلکہ تاریخی اور استعماری تناظر میں بھی لیا جانا ضروری ہے۔

اسلامی علوم کے حوالے سے تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخِ اسلام استشراقی مطالعات کے اہم ترین میدان رہے ہیں۔ قرآن کے باب میں تھیوڈور نولڈیکے، رچرڈ بیل، آرتھر جیفری، جان وانس برو اور دیگر مستشرقین نے وحی، تدوینِ قرآن، قراءات، رسمِ عثمانی، ترتیبِ نزولی اور مصادرِ قرآن سے متعلق مختلف نظریات پیش کیے۔ حدیث کے میدان میں گولڈزیہر اور جوزف شاخت کے نظریات نے تدوینِ حدیث، اسناد اور وضعِ حدیث کے بارے میں ایک مخصوص استشراقی منہج کو فروغ دیا، جب کہ نابیہ ایبٹ اور بعد کے بعض محققین نے ابتدائی تحریری شواہد کی بنیاد پر ان عمومی تصورات پر نظرِ ثانی کی۔ اس سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ استشراقی نظریات جامد نہیں رہے بلکہ خود استشراقی حلقوں کے اندر بھی ان پر علمی تنقید اور نظرِ ثانی کا سلسلہ جاری رہا ہے۔

فقہِ اسلامی کے بارے میں بھی بعض مستشرقین نے اس کے ارتقاء کو عہدِ نبوی کے بجائے بعد کے فقہی ادوار سے منسوب کیا اور اسلامی قانون پر رومی قانون کے اثرات کے دعوے پیش کیے۔ تاہم مسلم محققین نے قرآن، حدیث، فقہی مصادر، تاریخی شواہد اور ابتدائی قانونی ذخیرے کی روشنی میں ان نظریات کا تفصیلی علمی محاکمہ کیا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ فقہِ اسلامی کے آغاز، ارتقاء اور مصادر کے مطالعے میں محض استشراقی مفروضات پر اعتماد کرنے کے بجائے اسلامی ابتدائی مصادر اور تاریخی شواہد کا تقابلی اور تنقیدی جائزہ ضروری ہے۔

سیرتِ نبوی ﷺ کے حوالے سے تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ استشراقی رویہ وقت کے ساتھ نمایاں طور پر تبدیل ہوا۔ قرونِ وسطیٰ میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں شدید مذہبی تعصب اور مناظرانہ اسلوب غالب تھا، جب کہ جدید دور میں بعض مستشرقین نے نسبتاً علمی، تاریخی اور نفسیاتی اسالیب اختیار

کیے۔تاہم جدید اسلوب کے باوجود بعض محققین نے وحی اور نبوت کی توضیح ایسے نفسیاتی یا سماجی تصورات کے ذریعے کرنے کی کوشش کی جو اسلامی تصورِ نبوت سے بنیادی طور پر مختلف ہیں۔اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ جدید دور کے بعض مغربی مصنفین نے قرونِ وسطیٰ کے افترائی اور غیر علمی رویوں پر تنقید بھی کی، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مغربی علمی روایت کو بھی ایک یکساں اور غیر متغیر تصور نہیں کیا جا سکتا۔

تاریخِ اسلام کے میدان میں بھی مستشرقین نے اسلامی مصادر سے استفادہ کرتے ہوئے متعدد اہم تاریخی موضوعات پر کام کیا، تاہم مصادر کے انتخاب، ان کی درجہ بندی، روایت کے قبول ورد کے اصول اور اسلامی تاریخی روایت کی داخلی ساخت کے بارے میں ان کے مناہج میں نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مستشرقین نے کمزور یا متنازع روایات کو اسلامی تاریخ کی عمومی تصویر تشکیل دینے میں استعمال کیا، جب کہ مسلم محققین نے ان مصادر کی اسنادی، متنی اور تاریخی حیثیت پر تنقید کی۔ اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے مطالعے میں کسی ایک ماخذ کو محض قدامت کی بنیاد پر معتبر قرار دینا کافی نہیں بلکہ اس کی سند، متن، مؤلف کا منہج، تاریخی سیاق اور دیگر مصادر سے تقابل ضروری ہے۔

تحقیق کا ایک اہم نتیجہ یہ بھی ہے کہ مسلم علماء نے استشراقی افکار کو محض جذباتی انداز میں رد نہیں کیا بلکہ قرآن، حدیث، سیرت، فقہ اور تاریخ کے مختلف شعبوں میں باقاعدہ علمی و تحقیقی جوابات فراہم کیے ہیں۔ محمد مصطفیٰ اعظمی، محمد مہر علی اور متعدد عرب و برصغیر کے محققین کی تحقیقات اس علمی ردِ عمل کی نمائندگی کرتی ہیں۔اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ استشراق کے مقابلے میں مؤثر علمی حکمتِ عملی محض دفاعی رد نہیں بلکہ بنیادی مصادر، جدید تحقیقی مناہج، تاریخی شواہد اور تقابلی مطالعے پر مبنی تنقیدی و تحقیقی منہج اختیار کرنا ہے۔

آخر میں یہ تحقیق اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ استشراق کو نہ مکمل طور پر علمی خدمت کا مترادف قرار دینا درست ہے اور نہ اس کی تمام کاوشوں کو محض اسلام دشمنی کا نتیجہ سمجھنا علمی انصاف کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔اس کے تاریخی ارتقاء میں علمی جستجو، ترجمہ، تدوین، مخطوطات کی تحقیق اور اسلامی مصادر کی عالمی سطح پر اشاعت جیسے مثبت پہلو موجود ہیں، جبکہ مذہبی تعصب، استعماری مفادات، اسلام کے بارے میں پیشگی تصورات اور بعض متعصبانہ یا کمزور منہجی نتائج اس کے دوسرے پہلو ہیں۔اس لیے استشراق کے علمی ورثے کا درست مطالعہ اعتدال، غیر جانب دارانہ تجزیے، مصادر کی تنقید اور تاریخی سیاق کی رعایت کا تقاضا کرتا ہے۔یہی متوازن منہج مستشرقین کی علمی خدمات سے استفادہ کرنے، ان کے کمزور اور متعصبانہ نظریات کی نشاندہی کرنے اور اسلامی علوم کے بارے میں ایک مضبوط، مستند اور علمی موقف تشکیل دینے کے لیے زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

---

[i]:لسان العرب،ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی، جلد:۱۰، صفحہ:۱۷۳، نشر ادب الحوزة، قُم،ایران(۱۴۰۵ھ)

[ii] : The Oxford Dictionary of English, Vol:2,Page:200,The Biological Society

[iii]:آرتھر جان آربری(۱۹۰۵ءتا۱۹۶۹ء)ایک برطانوی مستشرق ہے۔اس کی شہرت کی وجہ اس کا انگریزی ترجمہ قرآن The Koran interpreted بنا۔اس کا ترجمہ قرآن پہلی مرتبہ ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا اور مستشرقین کے انگریزی تراجم میں تاحال سب سے زیادہ مستند،ادبی اور مقبول عام ترجمہ شمار ہوتا ہے۔آرتھر جان آربری قاہرہ یونیورسٹی مصر میں شعبہ کلاسیکیات کا سربراہ رہا ہے۔بعدازاں انڈیا آفس لائبریری، لندن میں اسسٹنٹ لائبریرین کے طور پر ملازمت کی۔دوسری جنگ عظیم میں برطانوی منسٹری انفارمیشن سے وابستہ ہوگیا۔۱۹۴۴ء میں اسے یونیورسٹی آف لندن میں School of Oriental and African Studies (SOAS) فارسی زبان کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔۱۹۴۷ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں عربی زبان کا پروفیسر مقرر ہوا۔اس نے مولانا روم اور علامہ اقبال کے فارسی کلام کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔شاہ ایران نے فارسی زبان میں اس کی خدمات پر اسے اعلیٰ ترین انعام "نشان دانش" دیا۔اسے قاہرہ اور دمشق میں عربی زبان کی اکیڈمیوں کی رکنیت بھی حاصل رہی ہے۔

[iv]:الاستشراق رسالة الاستعمار،ڈاکٹر محمد ابراہیم الفیومی، صفحہ:۱۴۲، دار الفکر العربی، قاہرہ، مصر(۱۹۹۳ء)

[v] : The western image and western studies of Islam, Maxime Rodinson, Edited by C.E. Bosworth, Joseph Schcht, Oxford University Press, (2nd Edition, 1979)

[vi]:اضواعلی الاستشراق والمستشرقین،ڈاکٹر محمد احمد دیاب، صفحہ:۱۰، دار المنار، قاہرہ، مصر(۱۹۸۹ء)

[vii]:الاستشراق والتاریخ الاسلامی،ڈاکٹر فاروق عمر فوزی، صفحہ:۳۰، الاہلیة للنشر والتوزیع، عمان،اُردن(الطبعة الاولیٰ:۱۹۹۸ء)

[viii]:رؤیة اسلامیة للاستشراق،ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب، صفحہ:۷، دار الاصالہ للثقافة والنشر والاعلام، ریاض، سعودی عرب(۱۹۸۸ء)

[ix] : ایضاً، صفحہ:۸

[x] : ایضاً، صفحہ:۸

[xi] : ایضاً، صفحہ:۹

[xii]:ضیاء النبی ﷺ، پیر محمد کرم شاہ الازہری، علامہ عبدالرسول ارشد، جلد:۶، صفحہ:۱۲۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور،(ذی القعدة ۱۴۱۸ھ)

[xiii] : Orientalism: Western Conceptions of the Orient, Edward W. Said, UK: Routledge and Kegan Paul, 1978.

[xiv]:الاسلامیات بین کتابات المستشرقین، مولانا ابوالحسن علی ندوی، صفحہ:۱۶،۱۵، مؤسسة الرسالة، بیروت، لبنان،(۱۹۸۶ء)

[xv]:الاستشراق والدراسات الاسلامیة، علی بن ابراہیم النملة، صفحہ:۱۳۲، مکتبة التوبة(الطبعة الاولیٰ:۱۹۹۸ء)

[xvi]:آراء المستشرقین حول القرآن الکریم وتفسیرہ،ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان، جلد:۱، صفحہ:۲۹، دار طیبة، ریاض، سعودی عرب

[xvii] : ایضاً، جلد:۱، صفحہ:۳۰

[xviii] : ایضاً، جلد:۱، صفحہ:۳۰تا۳۲

[xix] : ایضاً، جلد:۱، صفحہ:۳۲تا۳۵

[xx] : ایضاً، جلد:۱، صفحہ:۳۷،۳۶

[xxi]:اضواعلی الاستشراق والمستشرقین،ڈاکٹر محمد احمد دیاب، صفحہ:۱۵

[xxii]:الاستشراق الاسرائیلی فی المصادر العبریة،ڈاکٹر محمد جلاء ادریس، صفحہ:۱۹، دار الکتب العربی للنشر والتوزیع، قاہرہ، مصر(۱۹۹۵ء)

[xxiii] : المستشرقون، نجیب العقیقی، جلد:۱، صفحہ:۱۱۰تا۱۲۴، دار المعارف، مصر،(الطبعة الثالثة:۱۹۶۴ء)

[xxiv]:اضواعلی الاستشراق والمستشرقین،ڈاکٹر محمد احمد دیاب، صفحہ:۱۸

[xxv]:الاستشراق والخلفیة الفکریہ للصراع الحضاری،ڈاکٹر محمود حمدی زقزوق، صفحہ:۳۲، دار المنار، قاہرہ، مصر(۱۹۸۹ء)

[xxvi]:الاستشرق۔وجہ للاستعمار الفکری،ڈاکٹر عبدالمتعال محمد الجبری، صفحہ:۵۵، مکتبہ وہبہ، قاہرہ(۱۹۹۵ء)

[xxvii]:اضواعلی الاستشراق والمستشرقین،ڈاکٹر محمد احمد دیاب، صفحہ:۱۳

[xxviii]:الاستشراق والغارة علی الفکر الاسلامی،ڈاکٹر محمد عبداللہ شرقاوی، صفحہ:۱۷، دار الہدایة، قاہرہ، مصر(۱۹۸۹ء)

[xxix] : ملاحظہ کیجئے منٹگمری واٹ کی کتاب Muhammad Prophet and Statesman، فلپ۔کے۔ہٹی کی کتاب Islam a way of life اور کیرن آرم سٹرانگ کی

کتاب Muhammad: A Western Attempt to understand Islam

xxx : اضواعلی الاستشراق والمستشرقین، ڈاکٹر محمد احمد دیاب، صفحہ: ۱۴

xxxi : ایضاً

xxxii: الاستشراق والغارۃ علی الفکر الاسلامی، ڈاکٹر محمد عبداللہ شرقاوی، صفحہ: ۱۵

xxxiii: الاستشراق۔وجہ للاستعمار الفکری، ڈاکٹر عبدالمتعال محمد الجبری، صفحہ: ۲۳

xxxiv: ایضاً، صفحہ: ۲۷

xxxv : ایضاً، صفحہ: ۴۶

xxxvi : تھیڈونولڈیکے(۱۸۳۶ءتا۱۹۳۰ء)ایک جرمن مستشرق ہے۔اس نے۱۸۵۶ءمیں تاریخ قرآن پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔اس کا یہ تحقیقی کام اس کے شاگرد فری ٹرش شوایلی Friedrich Zacharies Schwally کے تعاون سے ۱۸۶۰ءمیں پہلی مرتبہ جرمن زبان میں شائع ہوا جبکہ اس کا اصل مقالہ لاطینی زبان میں تھا۔یہ مقالہ بعدازاں The Histoty of the Quran کے نام سے انگریزی زبان میں بھی شائع ہوا۔یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔وہ یونیورسٹی آف سٹاش بوآ University of Strasbourg فرانس مشرقی علوم کا استاذ تھا۔اسے یونانی علوم وفنون کے علاوہ عبرانی، سریانی اور عربی زبان میں بھی خاصا درک حاصل تھا۔

xxxvii: ولیم کلیر ٹزڈال(۱۸۵۹ءتا۱۹۲۸ء)ایک برطانوی مستشرق ہے جو عربی زبان کے علاوہ فارسی، ہندی، پنجابی اور گجراتی زبان میں ماہر تھے۔وہ چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے ایران میں قائم مشنری سوسائٹی کا سیکرٹری بھی رہا۔اس نے کچھ عرصہ ہندوستان میں بھی گزارا۔اس نے فارسی، ہندی، گجراتی اور پنجابی زبانوں کی گرامر بھی مرتب کی ہے۔قرآن کریم پر The original sources of the Quran اور The sources of Islam کے نام سے کتابیں لکھیں۔پہلی کتاب ۱۹۰۵ءمیں نیویارک اور دوسری کتاب ۱۹۰۱ءمیں سکاٹ لینڈ سے شائع ہوئی۔

xxxviii : رچرڈ بیل (۱۸۷۶ءتا۱۹۵۲ء) ایک برطانوی مستشرق ہے۔۱۹۳۷ءسے ۱۹۳۹ءکے مابین اس نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ The Quran: Translated with a critical rearrangement of the Surahs شائع کیا۔اس نے ۱۹۵۳ءمیں Introduction to the Quran کے نام سے بھی ایک کتاب شائع کی۔اس کے ایک اور معروف کتاب The origin of Islam in its Christian environment کے نام سے بھی ہے جو ۱۹۲۵ءمیں شائع ہوئی۔یہ تینوں کتابیں ایڈنبرا یونیورسٹی پریس نے شائع کی ہیں۔رچرڈ بیل ایڈنبرا یونیورسٹی، برطانیہ میں عربی زبان کا اُستاذ رہا ہے۔

xxxix : آرتھر جیفری (۱۸۹۲ءتا۱۹۵۹ء) کینیڈین نژاد آسٹریلین مستشرق ہے۔کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ میں سامی زبانوں کا پروفیسر رہا ہے۔مشرق وسطی کے اسلامی مخطوطات کو اس نے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔قرآن کریم پر بھی اس کا کافی کام ہے جن میں Materials for the history of the text of the Quran اور The foreign vocabulary of the Quran اہم کتب ہیں۔علاوہ ازیں تحقیقات میں The textual history of the Quran, The Mystic letters of the Quran, A variant text of the Fatiha اور The Orthography of the Samarqand codex اہم مقالہ جات ہیں۔

xl: ریجس بلاشیے (۱۹۰۰ءتا۱۹۷۳ء) ایک فرانسیسی مستشرق ہے۔سوہبان یونیورسٹی Sorbonne University فرانس میں عربی زبان وادب کا استاذ جبکہ پیرس یونیورسٹی میں انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز کا ڈائریکٹر رہا ہے۔ریجس بلاشیے نے ۱۹۵۶ءمیں The Quran کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔اس نے Introduction au Coran کے نام سے فرانسیسی زبان میں قرآن کریم کا ایک مقدمہ بھی مرتب کیا۔۱۹۴۹ء۔۱۹۷۷ءکے دوران The Koran: Translation as a test for the reclassification of Surahs کے نام سے بھی فرانسیسی میں ترجمہ قرآن شائع کیا، جس میں اس نے اپنے تیئں قرآن کریم کی سورتوں کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے جمع کیا ہے۔سیرت کا ایک ناقدانہ جائزہ اپنی کتاب The problem of Muhammad: Test critical biography of the founder of Islam میں لیا۔علاوہ ازیں عربی ادب کی تاریخ پر تین جلدوں میں History of the Arabic literature کے نام سے بھی ایک کتاب مرتب کی۔

xli : جان ایڈورڈ وانس بارا(۱۹۲۸ءتا ۲۰۰۲ء)ایک امریکی مستشرق ہے۔اس نے اپنی تعلیم ہارورڈ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد یونیورسٹی آف لندن میں School of Oriental and African Studies (SOAS) میں تاریخ کا استاذ مقرر ہوا۔ قرآنیات میں اس نے Quranic Studies: Sources and methods of scriptural interpretation کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ۱۹۷۷ءمیں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہوئی۔

xlii: ولیم منٹگمری واٹ(۱۹۰۹ءتا۲۰۰۶ء)ایک برطانوی مستشرق ہے۔ولیم منٹگمری واٹ راچرڈ بیل کا شاگرد ہے۔رچرڈ بیل کی طرح اس کا تعلق بھی علوم اسلامیہ اور عربی زبان میں بطور استاذ، یونیورسٹی آف ایڈنبرا سے رہا ہے۔قرآن کریم پر اس کا ایک مقدمہ Introduction to the Quran کے نام سے ہے جو ۱۹۷۷ءمیں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔اس کی دیگر معروف کتب میں سیرت پر دو کتابیں Muhammad at Mecca اور Muhammad at Medina ہیں جو بالترتیب ۱۹۵۳ءاور ۱۹۵۶ءمیں شائع ہوئیں۔اس کے علاوہ اس کی کتابوں میں Islamic philosophy and theology اور Islamic political thought شامل ہیں۔ولیم منٹگمری واٹ کو آخری مستشرق کا خطاب دیا گیا ہے۔

[xliii] : جان برٹن (۱۹۲۹ءتا۲۰۱۴ء) ایک برطانوی مستشرق ہے۔ وہ یونیورسٹی آف ایڈنبرا میں عربی زبان کا اُستاذ رہا ہے۔ اس نے جمع قرآن کے موضوع پر The collection of the Quran کے نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے جسے کیمبرج یونیورسٹی پریس نے پہلی مرتبہ ۱۹۷۷ء میں شائع کیا۔ اس نے حدیث پر بھی ایک کتاب An Introduction to Hadith کے نام سے لکھی ہے جو ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ جان برٹن کو یورپ میں قرآن اور حدیث کے ماہرین میں شمار کیا جاتا ہے۔

[xliv] : گستاف وائل (۱۸۰۸ءتا۱۸۸۹ء) ایک جرمن مستشرق ہے۔ اس نے اپنی تعلیم University of Heidelberg سے حاصل کی۔ ۱۸۳۱ء سے ۱۸۳۵ء تک وہ مصر میں رہے۔ اس نے اپنی کتاب Geschichte der Chaliphen میں یہ رائے پیش کی ہے کہ صحیح بخاری کی تمام روایات کو رد کر دینا چاہیے۔

[xlv] : ایلائس سپرنگا (۱۸۱۳ءتا۱۸۹۳ء) ایک آسٹرین عیسائی مستشرق ہے۔ اس نے یونیورسٹی آف وی اینا آسٹریا University of Vienna سے مشرقی علوم کی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد لندن چلا گیا۔ مسلمانوں میں عسکری علوم وفنون کی تعلیم وتربیت کی تاریخ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور ۱۸۴۳ء میں کلکتہ آگیا اور یہاں ایک کالج کا پرنسپل مقرر ہوا۔ ۱۸۴۸ء میں لکھنؤ گیا اور وہاں شاہی لائبریری کی فہارس تیار کیں۔ ۱۸۵۰ء میں اسے ایشیائی سوسائٹی آف کلکتہ کا سیکرٹری بنایا گیا۔ ۱۸۵۱ء میں سیرت پر The life of Muhammad کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ ۱۸۵۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے University of Bern اور ۱۸۸۱ء میں جرمنی کے University of Heidelberg سے تدریس کا تعلق قائم کیا۔

[xlvi] : ولیم میور (۱۸۱۹ءتا۱۹۰۵ء) ایک سکاٹش مستشرق ہے۔ گلاسگو اور ایڈنبرا کی یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۳۷ء کو بنگال سول سروس کو جوائن کیا اور شمال مغربی صوبوں کے گورنر کے سیکرٹری کے طور پر اپنی سروس کا آغاز کیا۔ ۱۸۶۵ء میں انڈین گورنمنٹ کا سیکرٹری خارجہ مقرر ہوا۔ ۱۸۶۸ء میں اسے شمالی مغربی صوبوں کا لیفٹیننٹ گورنر بنادیا گیا۔ ۱۸۸۴ء میں شاہی ایشیائی سوسائٹی کا صدر بنا۔ ۱۸۸۵ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی کا پرنسپل منتخب ہوا اور ۱۹۰۳ء میں ریٹائر ہوا۔ ۱۹۰۵ء میں ایڈنبرا میں فوت ہوئے۔ اس نے سیرت اور تاریخ کے موضوع پر کئی کتابیں لکھی۔

[xlvii] : اگناس گولڈزیہر (۱۸۵۰ءتا۱۹۲۱ء) ایک ہنگرین یہودی مستشرق ہے۔ نولڈیکے جس طرح قرآنیات میں مستشرقین کا امام ہے تو بالکل اسی طرح گولڈزیہر کو علوم حدیث میں مستشرقین کی پیشوائی کا مقام حاصل ہے۔ گولڈزیہر نے اپنی تعلیم University of Budapest, Hungry , University of Leipzig, Germany, University of Berlin, Germany, اور University of Leiden, Netherlands سے حاصل کی۔ ۱۸۷۳ء میں اسے ہنگری حکومت نے شام فلسطین اور مصر کے دورہ پر بھیجا تاکہ وہ مسلمان علماء سے استفادہ کر سکے۔ مصر میں قیام کے دوران اس نے جامعہ ازہر کے علماء سے استفادہ کیا۔ گولڈزیہر نے ایک کتاب (Muhammedanische Studien (Muslim studies کے نام سے دو جلدوں میں مرتب کی جو ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی۔

[xlviii] : جوزف شاخت (۱۹۰۲ءتا۱۹۶۹ء) ایک جرمن مستشرق ہے۔ اس کا تعلق ایک کیتھولک خاندان سے ہے۔ اس نے ابتدائی تعلیم جرمنی میں حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء میں University of Konigsberg میں پروفیسر مقرر ہوا۔ اس نے ۱۹۴۶ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں تدریس کا آغاز کیا، اس کے بعد یونیورسٹی آف لائیڈن، نیدرلینڈ سے وابستگی اختیار کی۔ ۱۹۵۷ء میں کولمبیا یونیورسٹی میں تدریس شروع کی۔ جوزف شاخت علوم اسلامیہ اور عربی زبان کا پروفیسر تھا۔ اہل مغرب میں حدیث اور فقہ اسلامی میں تخصص کی وجہ سے معروف ہے۔ اس کی کتاب Origins of Muhammadan Jurisprudence ۱۹۵۰ء میں اور An introduction to Islamic law ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔

[xlix] : نابیہ ایبٹ (۱۸۹۷ءتا۱۹۸۱ء) ایک امریکی مستشرق ہے جو یونیورسٹی آف شکاگو میں مشرقی علوم کے پروفیسر تھے۔ وہ ۱۸۹۷ء میں ترکی میں ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اس کے والد ایک تاجر تھے لہذا وہ اپنے باپ کے ساتھ کچھ عرصہ عراق اور پھر انڈیا میں رہیں جہاں انہوں نے لکھنؤ سے اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مسلمان خواتین کی تاریخ پر ان کا کافی کام موجود ہے۔ سیرت عائشہؓ پر اس کی کتاب Aishah, the beloved of Muhammad کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے نمایاں تحقیقی کاموں میں تین جلدوں میں اس کی کتاب Studies in Arabic literary papyri ہے جو ۱۹۵۷ء، ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئیں۔

[l] : جیمز روبسن (۱۸۹۰ءتا۱۹۸۱ء) ایک سکاٹش مستشرق ہے۔ اس نے انگریزی زبان میں مشکوۃ شریف کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ حدیث پر جیمز روبسن کے کئی ایک تحریر ملتی ہیں، لیکن وہ بنیادی طور پر شاخت سے متاثر ہے۔

[li] : ڈنکن بلیک میکڈونلڈ (۱۸۶۳ءتا۱۹۴۳ء) ایک امریکی مستشرق اور پروٹسٹنٹ عیسائی ہے۔ اس نے سامی زبانوں کی تعلیم گلاسگو یونیورسٹی اور برلن یونیورسٹی میں حاصل کی۔ اس کی دلچسپی مسلم الٰہیات Muslim Theology میں تھی۔ میکڈونلڈ نے مسلم عیسائی تعلقات پر بھی کافی کچھ لکھا اور اس نے مشرق وسطیٰ میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے کئی ایک پروٹسٹنٹ مشنری بھی بھیجیں۔ اس کی کتابوں ہمیں The religious attitude and life in Islam اور The life of Al-Ghazzali اور Aspects of Islam کے نام سے ملتے ہیں۔ فقہ اسلامی کے حوالے سے اس کی کتاب کا نام Development of Muslim theology, Jurisprudence and constitutional theory ہے جو ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس نے انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے ۱۹۱۱ء کے ایڈیشن میں امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، قاضی اور مفتی وغیرہ کے عنوان سے کئی ایک مقالے بھی لکھے ہیں۔

[lii] : نورمن کولڈر (۱۹۵۰ءتا۱۹۹۸ء) سکاٹ لینڈ میں پیدا ہوئے۔ اس نے امریکی مستشرق جان وانس بارا John Wansbrough کی سرپرستی میں یونیورسٹی آف لندن سے اپنی پی ایچ ڈی مکمل کی۔ اس کے پی ایچ ڈی کے مقالے کا عنوان The structure of authority in Imami Shi'I Jurisprudence تھا۔ ۱۹۸۰ء میں یونیورسٹی آف مانچسٹر کے تحت شعبہ مطالعہ مشرق وسطیٰ کے ساتھ منسلک ہوئے۔ ۱۹۹۸ء میں جبکہ وہ اسی یونیورسٹی میں ایک سینئر لیکچرار کے طور پر کام کر رہا تھا، اس کی وفات ہوئی ہے۔ اس کی کتابوں میں Studies in early Muslim

jurisprudence اور Islamic jurisprudence in the classical era اور Interpretation and jurisprudence in medieval Islam شامل ہیں۔

[liii] : تھامس کارلائل (۱۷۹۵ءتا۱۸۸۱ء) ایک سکاٹش مستشرق ہے۔اس نے اپنی تعلیم یونیورسٹی آف ایڈنبرا سے مکمل کی۔ تھامس کارلائل نے The French Revolutin: A History کے نام سے انقلاب فرانس کے تاریخ پر تین جلدوں میں کتاب لکھی۔اس نے سیرت پر بھی کافی کام کیا ہے۔

[liv] : ڈیوڈ صموئیل مار گولیتھ (۱۸۵۸ءتا۱۹۴۰ء) ایک برطانوی مستشرق ہے۔ وہ لندن میں پیدا ہوئے۔ چرچ آف انگلینڈ کے ایک متحرک پادری کے طور پر شہرت حاصل کی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں ۱۸۸۹ء سے لے کر ۱۹۳۷ء تک عربی زبان کا استاذ رہا۔اس کا والد ایک یہودی تھا جس نے بعد میں عیسائیت قبول کیا تھا۔ ڈیوڈ صموئیل مار گولیتھ ۱۹۰۵ء میں شاہی ایشیائی سوسائٹی کا ممبر بنا اور ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۷ء تک اس کا صدر رہا۔ عربی کتابوں کی ایڈیٹنگ اور ترجمے کی وجہ سے شہرت حاصل کی یہاں تک کہ مصری شاعر احمد شوقی نے اپنی نظم "نیل" کا انتساب اس کی طرف کیا۔ معروف کتب میں Muhammad and the Rise of Islam ہے جو ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۰۷ء میں بنوامیہ اور بنوعباس پر ایک کتاب Umayyads and Abbasids کے نام سے شائع کی۔ ۱۹۱۴ء میں The Early Development of Mohammedanism کے نام سے فقہ اسلامی کی تاریخ پر ایک کتاب مرتب کی۔ ۱۹۲۲ء میں بنوعباس کے زوال پر ایک اور کتاب The Eclipse of the Abbasid Caliphate کے نام سے شائع کی۔

[lv] : کارل بروکلمان (۱۸۶۸ءتا۱۹۵۶ء) ایک جرمن مستشرق ہے۔ وہ یونیورسٹی آف برلن میں بطور پروفیسر پڑھاتا رہا۔اس کے معروف علمی کام میں عربی زبان وادب کی تاریخ پر کئی جلدوں میں اس کی کتاب Geschichte der arabischen Litteratur ہے جو ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۲ء کے مابین شائع ہوئی۔اس کتاب کا عربی زبان میں ترجمہ ڈاکٹر عبدالحلیم نجار نے "تاریخ الادب العربی" کے نام سے کیا ہے جسے دار المعارف نے شائع کیا ہے۔اس کی دیگر کتب میں Syrische Grammatik mit Litteratur اور Chrestomathie und Glossar ہیں۔اس کے علاوہ Semitische Sprachwissenschal اور Lexicon syriacum بھی اہم ہیں۔ تاریخ اسلام پر بروکلمان کی معروف کتاب Geschichte der islamischen Volker und Staaten ہے جس کا انگریزی ترجمہ History of the Islamic Peoples کے نام سے ہوا ہے جس کے مترجمین جوئل کارمائیکل اور موشے پرلمان ہیں۔اس ترجمے کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔اس کتاب کا عربی ترجمہ "تاریخ الشعوب الاسلامیۃ" کے نام سے ہوا ہے اور اس کے مترجمین کا نام نبیہ امین فارس اور منیر البعلبکی ہے۔اسے دار العلم للملایین بیروت نے شائع کیا ہے۔ عربی ترجمے کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا۔

[lvi] : رینالڈ نکلسن (۱۸۶۸ءتا۱۹۴۵ء) ایک برطانوی مستشرق ہے۔اس نے اپنی تعلیم کیمبرج یونیورسٹی سے مکمل کی اور یہاں ہی ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۲۶ء تک فارسی زبان کے لیکچرر کے طور پر اپنی خدمات پیش کیں۔اس کے بعد اس نے ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۳ء تک کیمبرج یونیورسٹی میں ہی عربی زبان کے پروفیسر کے طور پر کام کیا۔ رینالڈ نکلسن اسلامی لٹریچر اور صوفی ازم میں ایک ماہر سکالر کے طور پر جانا جاتا ہے۔اس نے مولانا روم کی مثنوی کا انگریزی ترجمہ کیا ہے جس کی وجہ سے بعض لوگ اسے "رومی سکالر" بھی کہتے ہیں۔اس نے اپنے شاگرد علامہ اقبال کی کتاب "اسرار خودی" کا بھی فارسی سے انگریزی میں The Secrets of the Self کے نام سے ترجمہ کیا۔اس کی معروف کتب میں A Literary History of the Arabs اور The Mystics of Islam ہیں جو بالترتیب ۱۹۰۷ء اور ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئیں۔

[lvii] : ہاملٹن الیگزینڈر راسکین گب (۱۸۹۵ءتا۱۹۷۱ء) ایک سکاٹش مستشرق ہے۔اس نے ابتدائی تعلیم یونیورسٹی آف ایڈنبرا سے حاصل کی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانوی شاہی رجمنٹ کے ایک سپاہی اور آفیسر کے طور پر فرانس اور اٹلی میں کام کیا۔اسے اس کی جنگی خدمات پر ماسٹر آف آرٹس کا ایوارڈ بھی دیا گیا۔ جنگ کے خاتمے پر اس نے لندن یونیورسٹی میں عربی زبان کی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۲۲ء میں یہاں سے ایم اے کیا۔ ہاملٹن گب ۱۹۳۰ء میں اسی یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوا اور ۱۹۳۷ء تک اس نے یہاں عربی زبان کی تعلیم دی۔ وہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا ایڈیٹر بھی رہا۔ ۱۹۵۵ء میں ہارورڈ یونیورسٹی سے بطور عربی زبان کے پروفیسر منسلک ہوئے۔اس کی معروف کتب میں Arabic Literature: An Introduction , Modern Trends in Islam, Studies on the Civilization of Islam اور Shorter Encyclopedia of Islam ہے تاریخ اسلام پر اس کی کتاب Mohammedanism: An Historical Survey کے نام سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی جو بعد میں ۱۹۸۰ء میں Islam: An Historical Survey کے نام سے دوبارہ شائع ہوئی۔

[lviii] : برنارڈ لیوس (۱۹۱۶ءتا۲۰۱۸ء) ایک برطانوی نژاد امریکی یہودی مستشرق ہے۔ ۱۹۳۶ء میں اس نے یونیورسٹی آف لندن سے مشرق وسطی کی تاریخ پر بی اے کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد تاریخ اسلام میں لندن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کچھ عرصہ کے لیے یونیورسٹی آف پیرس سے بھی منسلک ہوئے۔۔ اس نے دوسری جنگ عظیم میں برطانوی شاہی بکتر بند کور میں بھی اپنی خدمات سرانجام دیں۔ جنگ سے واپسی پر ۱۹۴۹ء میں یونیورسٹی آف لندن میں مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ کی تاریخ کا استاذ مقرر ہوا۔ ۱۹۷۴ء میں پرنسٹن یونیورسٹی، امریکہ سے منسلک ہوا۔ ۱۹۷۶ء میں یہاں سے ریٹائرمنٹ کے بعد کارنل یونیورسٹی سے منسلک ہوئے۔اس نے تاریخ اسلام اور مشرق وسطیٰ کے تاریخ پر کئی کتابیں لکھی۔ برنارڈ لیوس کو مغرب میں تاریخ اسلام اور مشرق وسطی کی تاریخ پر ایک سند کی حیثیت سے پڑھا جاتا ہے۔